



تذکرہ

خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ

از

سرور علی احمد خان

ناشر: انجمن بہبود زائرین پاکستان (رجسٹرڈ)

29-A لٹن روڈ لاہور

314

86708

~~86708~~



انتساب

حضرت الحاج محمد عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ مجاز حضرت حاجی سید عبدالمعجود گیلانی قدس سرہ العزیز

چوں	بہ	نیکو	رفتگاہ	درسا ختم
ہم	نشیناں	ملائک	ساختیم	
ذکر	نیکو	رفتگاہ	دارو	ثواب
عاصیاں	را	می	رہاند	از عذاب

(جب ہم نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی تو ہمیں فرشتوں کا ہنسیں بنا دیا گیا۔ گزر گئے صلح و
نیک لوگوں کا ذکر باعث ثواب ہے کہ ان کا تذکرہ گناہگاروں کو عذاب سے بچاتا ہے)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

بارگاہت بوسہ گاہ قدسیاں
 نقش پائت سجدہ گاہ انس و جان
 سرنگوں بر آستانت سروراں
 پر ضیاء از نور تو روشن دلاں
 حق ترا خواندہ مبشر ہم نذیر
 دیدہ رحمت کشا بر خستگان
 بزم دین روشن ز نور شمع تو
 مثل پروانہ فدایت عاشقان
 قافلہ سالار امت ذات تو
 رہروان حق سوئے منزل رواں
 در شب معراج رفتی بر فلک
 گرد راہ تو نجوم و کہکشاں
 روز محشر ماز عصیاں شرمسار
 یک نظر اے دشگیر بکیاں

راجی شفاعت و غفران سردار علی احمد خان

منقبت حضرت خواجہ غریب نواز

از سردار علی احمد خاں

روئے تو مت یا خورشید یا برگ سمن
از جمالت شد ہویدا بوئے بلغ ذوالمنن
اے گلے زہندہ و رعناز بلغ پنج تن
وصل تو خوشتر بود پیوستہ چوں جل دربدن
تو دم عیسیٰ بحق نذنبان پڑمرده ہا
یوسف مصری تو یا سلطان خوبان ختن
اے کہ بتویر منور از جمال مصطفیٰ
حسن نقاش دربلاد ہند ہر سو ضوقلن
آتش عشقت زیادہ کن ز الطاف خصوص
شعلہ جل سوز برزن یا معین الدین حسن
غرق عصیانم خرابم بے نوائیم یک فقیر
غفو تقصیرات خواہم از طفیل پنجتن
یک نگاہ رحم بر حال من مسکین زار
یا ولی الہند سلطانم معین الدین حسن
پر تو انوار احمد گشت فانوس تمش
شعلہ از دے رواکن یا معین الدین حسن

پیش لفظ

برصغیر ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں کی حکمرانی صدیوں پر محیط ہے لیکن اس خطہ عظیم میں مسلمان حاکموں، بادشاہوں اور روسائے اسلام کی اشاعت کی طرف کبھی مطلوبہ توجہ نہیں دی۔ یہ کارنامہ صوفیا کرام نے سرانجام دیا۔ چنانچہ اسلامی ہند کی تاریخ کا روشن ترین باب مشائخ و صوفیا کی ان عملی کوششوں کا تذکرہ ہے کہ جن کی بدولت اشاعت دین متین ہوئی اور معاشرے کی خالص اخلاقی اقدار اسلامی بنیادوں پر مستحکم ہوئیں۔ اس بارے میں مرحوم کرنل خواجہ عبدالرشید نے لکھا ہے کہ ”جہاں علما اختلاف اور رخنے پیدا کرنے میں مشغول رہے، صوفیا تبلیغ اور تنظیم میں مشغول رہے، علماء نے نہ صرف مذہبی اور سیاسی پارٹیاں بنا کر امت کا شیرازہ بکھیرا بلکہ بسا اوقات (مسلمان) ۱۶ رانوں کو دھوکہ دیکر انقلاب کرواتے۔ صوفیاء اسلام کا کردار ان سے بہت بلند ہے۔ انہوں نے نہ صرف حکمرانوں کو صحیح نصیحتیں دیں بلکہ مملکت کے کام میں سہولتیں پیدا کیں اور قوم میں یکجہتی کی جو جھلکیں ہمیں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ وہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔“

علمائے حق کے کردار سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اور کوئی بد بخت ہی ان پر انجست نمائی اپنی جہالت و شقاوت کے سبب کرے گا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ علماء حق کا گروہ بھی انہی صوفی اولیا اللہ کے قافلہ میں شریک سفر رہا ہے دراصل خرابی کی جڑ علماء سو کا وجود تھا۔ جن کا اکثر حالات میں آمرانہ حکومتوں کے ہر جائز و ناجائز کردار و کاروبار کے لئے اسلام سے جواز نکالنا اور اپنی دنیا داری اور جلب زر کے لئے الو سیدھا کرنا تھا ایک خرابی علمائے سونے یہ بھی پیدا کی کہ سیدھے سلوے مذہب کے اندر منطق و فلاسفہ کی وہ موشگافیاں اور توہمیں کرنا شروع کیں کہ جو عام سمجھ بوجھ کے آدمی کے بس کا کام نہ تھا۔ نتیجہ یہ مرتب ہوتا گیا۔ کہ عام آدمی مذہب سے بیزار ہوتا گیا۔ ”الست برکم کے جواب میں“ قالو ابلا“ کہنے والی روح کو اس دنیا میں اپنی حیات مستعار کے لئے جس سکون قلبی کی اور تلاش معبود حقیقی کی اندر سے طلب تھی۔ وہ علمی اور فکری موشگافیوں میں تھی کہاں؟

خواجہ صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ تحریک تصوف ایک طرح سے علماء سو کے خلاف ایک شعوری انقلاب تھا جس نے افراط و تفریط کے برعکس ایک متوازن عملی لائحہ عمل پیش کیا اور اپنے حلقہ ہائے ارادت کو صحیح اسلامی سپرٹ سے آشنا کیا۔

مسک تصوف فی الاصل قلب کی صفائی حاصل کرنے کا طریق ہے۔ انسان کو ہمیشہ سکون قلب کی تلاش رہی ہے اور آج بھی ہے یہ سوائے اولیاء اللہ کے اور کہیں سے کہاں ملتی ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہندوستان میں صوفیاء کے قافلہ سالار تھے آپ نے منظم طریق سے اشاعت اسلام اور اصلاح اخلاق کا بیڑا اٹھایا۔ ملک بھر میں تبلیغ اور رشد و ہدایت کے لئے تربیت یافتہ خلفاء بھیجے جنہوں نے تن من و دھن سے لاپرواہ وہ کارہائے نمایاں کر دکھائے کہ جنہیں پڑھ کر قاری تھیر میں ڈوب جاتا ہے اور اس کیفیت سے ابھرتا ہے تو اس کا قلب منور ہوتا ہے۔

برصغیر میں چار بڑے روحانی سلاسل اب تک موجود ہیں۔ چشتیہ، سروردیہ، قلوریہ اور نقشبندیہ ان میں سے سلسلہ عالیہ چشتیہ بطور خاص عشق و محبت کا سلسلہ ہے۔ مرشد نگاہ سے مرید کو کہاں سے کہاں، کس مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ یہ چشتی سلسلہ کا خاصہ ہے علامہ اقبالؒ کی وہ بات کہ ”بس اک نگاہ سے بندوں کو رام کرتے ہیں“ چشتی بزرگوں کے فیضان نظر کی ترجمان ہے۔

خواجہ غریب نواز چونکہ اہل تصوف میں سے تھے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں مزید کچھ بیان کر دیا جائے تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اس علم کی غایت وصول الی اللہ اور سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے درحقیقت تصوف ایک مخصوص طرز زندگی کا نام ہے کسی خاص علمی نظریے کا نام نہیں ہے اور وہ اس لئے کہ تصوف کا تعلق ”عمل“ سے ہے، الفاظ کی قیل و قیل سے نہیں۔ اہل روحانیت کو راہ سلوک طے کرتے ہوئے جو واردات و کیفیات قلب پر طاری ہوتی ہیں۔ ان کے اظہار کے لئے الفاظ کا ذریعہ دور تک ساتھ نہیں دے پاتا اپنے علم و فضل کے بلوغ کوئی شخص واردات قلب کی کیفیت اور اس سے مرتبہ احساسات و ادراک کی حقیقت اور اصلیت کماحقہ بیان نہیں کر سکتا۔ تصوف تجربہ اور مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں منطقی موشگافیوں اور عقلی مباحث و دلائل سے کام نہیں چل سکتا کہ یہ تو سراسر حال کا معاملہ ہے۔ قل کا نہیں۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن اس کا کیا جائے کہ حضرت انسان کی فطرت میں تلاش و جستجو کا جو مادہ و دینیت کیا گیا ہے، اس کی بنا پر ابن آدم حتی المقدور ہر چیز۔ ہر جذبے اور ہر ایک فکری جہت کی ماہیت اور گہرائی و گیرائی جاننے کے لئے مضطرب رہتا ہے اسی موضوع کے پیش نظر اہل تصوف اور علمائے علوم باطنی نے بیان ہو سکنے کے قابل اپنے تجربات پر مشتمل بہت سی تحریریں بطور ورثہ چھوڑی ہیں۔

جن کی بدولت عام لوگوں کو کچھ نہ کچھ واقفیت بہم پہنچ سکتی ہے۔

تصوف کا ایک علمی پہلو یہ ہے کہ اس اصطلاح سے کیا مراد ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں۔ اور یہ کہ اس کے امور و اشغال اور نصب العین کیا ہیں مسائل فلسفہ ذات خداوندی کائنات موجودات اور انسان کے حوالوں سے ایک صوفی کے کیا نظریات ہیں۔

عالم موجودات میں ہمیں ہر ایک شے کے دو پہلو نظر آتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی مثلاً رنگ کسی پھول کا ظاہری پہلو ہے اور خوشبو داخلی اور اسی طرح جسم انسان کا ظاہری اور روح اس کا باطنی پہلو ہے۔ صوفیاء کا کہنا ہے کہ آدمی محض عناصر اربعہ کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس کی حیات کا ایک روحانی پہلو بھی ہے جو مادی پہلو سے زیادہ اہم ہے اور اس طرح ان کے بقول روحانیت ہی حقیقی انسانیت ہے کیونکہ باطن مستور ہوتا ہے اس لئے عام لوگوں کی نظر اس تک نہیں پہنچ پاتی مثلاً جیسے رنگ آنکھ سے نظر آتا ہے لیکن خوشبو نظر نہیں آتی کہ اس کے لئے سونگھنے کی طاقت درکار ہے اور اسی طرح جسم تو نظر آتا ہے لیکن روح نظر نہیں آتی اسے معلوم کرنے کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سائنس ہمیں مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ کائنات کے بعض حقائق کا علم اور ان کی ماہیت کی دریافت میں مدد کرتی ہے۔ فلسفہ کے ذریعہ غور و تدبر حقیقت کی جانب رہنمائی کرتے ہیں جبکہ شریعت یعنی مذہب دنیاوی زندگی کا دستور العمل ہمیں دیتی ہے۔ اور جہاں تک تصوف کا تعلق ہے تو یہ عشق خدا اور محبت رسول خدا کو روحانی مقاصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ تصوف مذہب اسلام کی روح ہے اور مذہب کی عمدہ ترین اور صحیح تر تعبیر ہے اور اس کا مقصد ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ عاجزی اختیار کی جائے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کی جائے اور سوائے ذات باری کے اور کسی سے واسطہ نہ رکھا جائے۔ اسلامی تصوف کی ابتدا حضور نبی کریم کی تعلیمات سے ہوئی اور آپ کی روحانی دعوت بعد میں صحابہ تابعین تبع تابعین اور اولیائے کرام نے پھیلائی صوفیا اور اولیاء اللہ جنہیں عام طور سے بزرگان دین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے سنت نبوی پر کلاماً کاربند رہے ہیں۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ملفوظات کا مجموعہ موسومہ یہ دلیل العارفین کو لے لیجئے اس میں ابتداء سے آخر تک نماز اور مسنونہ عبادات کی تاکید ملتی ہے اور پوری کتاب میں سنت نبوی کے اتباع سے حاصل ہونے والے فضائل کا ذکر ہے۔ یہ امر ثابت ہے کہ بزرگان دین کا عملاً پیش کیا ہوا تصوف اسلام کے روحانی عناصر کی ارتقائی صورت ہے اس کی مہلکات قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں اور جن کی تصریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور مابعد

اولیاء اللہ نے اپنے طرز عمل سے اہل دنیا کو پیش کی علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ تصوف ان مذہبی علوم سے تعلق رکھتا ہے جو اسلام کی بدولت ظہور میں آیا چنانچہ صوفیانہ طریقوں کو اصحاب رسول مقبول اور تابعین نے ہمیشہ پسندیدگی سے دیکھا اور وہ خود ان اصولوں پر عامل تھے کہ جو صحابہ کرام کا خاصہ تھا۔ ان کے بڑے بڑے اصول یہ تھے (1) تقویٰ میں سرگرمی (2) راہ خدا میں ایثار (3) دنیاوی جاہ و شوکت سے پرہیز (4) جسمانی لذات سے احتراز (5) دنیاوی دولت اور امارت سے استغنا (6) مراقبہ اور بیشتر اوقات میں خلوت و گوشہ نشینی اور (7) یاد الہی۔

خواجہ غریب نواز کی حیات طیبہ اسلامی تصوف کی جیتی جاگتی تصویر اور سنت نبوی کا ایک حسین مرقع ہے اور یہ انہی سے مرتبہ اعمال صالح کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کے لازوال اور انمٹ نقوش برصغیر کے 40 کروڑ مسلمانوں کی زندگیوں پر اب تک اثر انداز ہیں خواجہ غریب نواز کو نائب رسول فی الہند کہا گیا ہے اور اس میں بلاشبہ کوئی مبالغے والی بات نہیں ہے۔

خواجہ صاحب کے سوانحی حالات

نام و نسب: آپ کا نام معین الدین تھا اور آپ کے والد محترم سید غیاث الدین کے نام کے ساتھ حسن بھی جزو تھا اس لئے آپ کے نام کا بھی یہ جزو ہو گیا۔ تذکرہ نگار خواجہ کا پورا اسم شریف سید معین الدین حسن سجری چشتی لکھتے ہیں اور آپ کے القاب اس طرح ہیں۔
 قطب المشائخ، سلطان العارفین، سراج الساکین، خواجہ بزرگ، ہندالولی عطاءئے رسول، وارث النبی فی الہند، ملک المشائخ، سلطان الساکین، منہاج المستقین، قطب الاولیا، شمس الفقراء، ختم المہتدین، غریب نواز مہبط انوار خواجہ صاحب صحیح النسب سلوات حسنی حسینی ہیں، جواہر فریدی میں آپ کا پدری نسب نامہ یوں درج ہے۔

”حضرت خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین حسن بن سید حسن احمد بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام محمد بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام علی موسیٰ رضا ابن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ۔“

حضرت خواجہ معین الدین کی ولادت 537ھ میں بھستان (یا سیستان) کے قصبہ سحر میں ہوئی اکثر روایتوں کے مطابق آپ کا یوم ولادت دو شنبہ اور ماہ رجب کی 14 تاریخ تھی۔

تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم اور نشوونما خراسان میں ہوئی۔ چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے دو اور حقیقی بھائی تھے جائداد پدر آپس میں تقسیم ہوئی تو معین الدین صاحب کے ترکہ میں ایک باغ اور ایک پن چکی آئی جس کی آمدنی سے آپ گزر بسر کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے باغ میں ابراہیم قدوری آگئے۔ خواجہ معین الدین صاحب نے ان کے سامنے انگور پیش کئے۔ انہوں نے کھلی کا ایک ٹکڑا چبا کر آپ کے منہ میں دیا۔ اس کا کھانا تھا کہ آپ کا دل انوار الہی سے منور ہو گیا اور اسباب دنیا سے طبیعت میں تنفر ہوا۔ اسی دن اپنا ملکیتی باغ اور دیگر تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ کو فروخت کر کے مساکین میں تقسیم کرنے کے بعد خود طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، پہلے بخارا اور پھر سمرقند پہنچے جہاں کلام مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم سے فراغت کے بعد خواجہ صاحب سمرقند سے سرزمین عراق میں وارد ہوئے۔ بہت سے علماء اور صلحاء سے کسب فیض کیا۔

یہاں سے آپ قصبہ ہرون ”ہارون“ میں حضرت شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا دو رکعت نفل پڑھوا کر قبلہ رخ ہو کر سورۃ بقرہ پڑھنے کو کہا اور اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا اور ساتھ مرتبہ سبحان اللہ کہلوا کر آسمان کی جانب اپنا چہرہ اٹھا کر مرید کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ

”ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او را گردانیدم“

پھر خواجہ صاحب کے سر کے بل قینچی سے تراشے اور کلاہ چارترکی اور کبیل عطا کیا مرشد کی صحبت میں رہ کر آپ نے راہ سلوک میں شبانہ روز عمل کیا اور فضل خداوندی سے اپنے قلب کو انوار الہی سے روشن پایا۔

شجرۂ طریقت: خواجہ صاحب کا شجرۂ طریقت یوں ہے۔

- (1) خواجہ عثمان ہارونی (2) خواجہ حاجی شریف زندانی (3) خواجہ محمد مودود چشتی (4) خواجہ ابو یوسف چشتی (5) خواجہ ابو محمد چشتی (6) خواجہ ابواحمد چشتی (7) خواجہ ابواسحق شامی حسی سلار چشتیاں (8) خواجہ ممشو علی وینوری (9) خواجہ امین الدین ابی میرہ بھری (10) خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی (11) خواجہ ابراہیم ادھم (12) خواجہ ابوالفیض فیصل (13) خواجہ ابوالفضل (14) خواجہ حسن بھری (15) حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ

حضرت خواجہ ابواسحق شامی قصبہ چشت (ضلع خراسان میں ہرات کے نزدیک) کے باشندہ تھے اسی نسبت سے چشتی کہلائے اور ان کا روحانی سلسلہ چشتی سے موسوم ہوا۔

غوث پاک سے رشتہ داری: حضرت خواجہ معین الدین چشتی غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے قریبی رشتہ دار تھے۔ وہ اس طرح کہ شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت عبداللہ الحلی کے پوتے تھے اور خواجہ معین الدین کی والدہ محترمہ بھی حضرت عبداللہ الحلی کی پوتی تھیں۔ ان دونوں کے والد حقیقی بھائی تھے۔ اس طور رشتہ کے اعتبار سے خواجہ صاحب کی والدہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی چچا زاد بہن ہیں۔ چنانچہ اس رشتہ سے خواجہ صاحب حضرت غوث الاعظم کے بھانجہ ہیں۔ خواجہ صاحب اور غوث پاک آپس میں خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔ ایک رشتہ سے خواجہ غریب نواز کی نانہالی رشتہ میں خالہ اور دودھیالی رشتہ میں بہن ہیں۔ پس خواجہ معین الدین چشتی حضرت غوث الاعظم کے خالہ زاد بھائی اور ماموں بھی ہوتے ہیں۔

خواجہ صاحب کی ولادت قصبہ سنجر (ستیان) میں 14-رجب 537ھ کو ہوئی بعض

مورخوں نے مقام پیدائش چشت لکھا ہے۔ آپ کی وفات 6- رجب 633ھ بیان کی جاتی ہے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کا وصال چھ رجب 627ھ بمطابق 21- مئی 1230ء بروز دو شنبہ ہوا۔ کچھ مورخین نے تاریخ وفات 6- رجب کی بجائے 7- رجب لکھی ہے۔

خدمت مرشد خواجہ صاحب سالہا سال مرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر خدمات شائستہ سرانجام دیتے رہے۔ سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری اشیاء اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔ بعض روایتوں کے مطابق بیس برس چھ ماہ آپ خدمت مرشد میں رہے۔ صاحب دلیل العارفین نے یہ عرصہ آٹھ سال لکھا ہے۔

مرشد کی معیت میں خواجہ معین الدین صاحب نے سیستان۔ دمشق۔ اوش، بدخشاں بغداد کی سیاحت کی اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے اور بہت سے بزرگوں سے روحانی فیوض و سعادت حاصل کیں۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خواجہ معین الدین سے بڑی محبت تھی۔ فرماتے تھے کہ ”معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او۔“ مرشد کے ساتھ خواجہ صاحب نے سیستان میں شیخ صدر الدین محمد سے ملاقات کی اور اوش میں خواجہ بہاؤ الدین اوشی سے فیض پایا۔ حضرت عثمان ہارونی نے خواجہ معین الدین کے حق میں خانہ کعبہ میں اور روضہ رسول مقبول پر دعائیں کیں۔ مرشد و مرید نے سرکار دو عالم کے آستانہ عالیہ سے گوش شنوا سے سنا۔

”معین الدین دوست ماست اور قبول کردم و برگزیدم۔“

سیرالاقطاب میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں ہی بارگاہ سرور کونین سے حضرت خواجہ معین الدین کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔

سیاحت و فیض یابی خواجہ صاحب نے اپنے مرشد کے ہمراہ اور بعد میں اکیلے بہت سے مقامات کی سیر و سیاحت کی اور گرامی اولیاء اللہ سے ملتی ہوئے سخن میں آپ شیخ نجم الدین کبریٰ سے ملے۔ وہاں سے بغداد شریف پہنچے اور حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہم محبت رہے اور ان ہی کی معیت میں جیلان و بغداد کی سیر کی یہیں آپ نے شیخ ضیاء الدین اور شیخ شہاب الدین سروردی سے ملاقاتیں کیں۔ شر ہمدان میں آپ نے حضرت یوسف ہمدانی اور خواجہ واحد الدین کہانی سے ملاقاتیں کیں۔ تہریز میں حضرت ابوسعید کے ہم محبت رہے۔ اس کے بعد خواجہ محمود صاحب سے اصفہان

جا کر فیض لیا۔ یہاں سے سیدھے مند کا رخ کیا اور خواجہ ابوسعید ہندی سے ملے اور وہاں سے استرآبلی گئے جہاں خواجہ ناصرالدین صاحب ولایت جلوہ افروز تھے اس وقت ان کی عمر 127 برس کی تھی اور وہ حضرت بایزید بسطامی کی اولاد سے تھے۔ خواجہ صاحب کا اگلا پڑاؤ غزنی تھا جہاں آپ شمس العارفین شیخ عبدالواحد غزنوی سے ملے۔ خیال رہے کہ خواجہ معین الدین صاحب کی سیاحت راہ سلوک کی کٹھن منزلیں ملے کرنے کی غرض سے تھی وہ ہر اس اہم مقام پر گئے جہاں معرفت کے سمندر کے شلور موجود تھے۔ خواجہ صاحب ان کی صحبت میں رہ کر کسب فیض کیا کرتے اور بزرگان دین کے مزارات مقدسہ پر چلہ کر کے فیوض باطنی حاصل کیا کرتے تھے۔ خرقان میں شیخ ابوالحسن خرقانی (المتوفی 425ھ) کے مزار پر اور ہرات میں شیخ عبداللہ انصاری (المتوفی 481ھ) کی قبر شریف پر مراقبہ کیا اور جب یہاں شب بیداری کرتے تو فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے۔ (سیرالعارفین)

غزنی سے خواجہ صاحب لاہور آئے جہاں حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری کے مزار اقدس پر مراقبہ کیا اور فیض یابی کے بعد یہ مشہور شعر کہا

گنج بخش فیض عالم مظهر نور خدا

ناقص راہیر کمال کلاماں را راہنما

خواجہ صاحب لاہور سے براستہ سلانہ دہلی اور وہاں سے اجمیر گئے۔ سیرالعارفین میں لکھا ہے کہ دہلی میں حضرت خواجہ معین الدین نے اس جگہ پر قیام کیا کہ جہاں شیخ رشید کی قبر اور اس سے متصل مسجد بھی تھی۔

دہلی اور اجمیر پر ان دنوں پر تھوی راج عرف رائے ہتمورا کی حکومت تھی اس کے کارندوں نے حضرت خواجہ معین الدین کے قیام میں بڑی رکاوٹیں پیدا کیں۔ آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا ناطقہ بند کرنے کی تمام تدابیر اختیار کیں لیکن خواجہ صاحب کی بزرگی اور کرامت کے مقابلہ میں مخالفین بے بس اور لاچار ہوئے تو انہوں نے اپنی مدد کے لئے جوگیوں اور جلو گروں کی خدمات حاصل کیں۔ جن کا سرکردہ بے پال تھا۔ خواجہ صاحب کے بڑے بڑے معرکے ان سے ہوئے اور بالاخر اپنی روحانی قوت سے حضرت ان سب پر غالب رہے۔ اکثر جوگیوں نے اسلام قبول کیا اور بے پال بھی مسلمان ہوا اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا اور اسے بعد میں خواجہ صاحب نے خلافت بھی عطا کی۔

جب خواجہ صاحب کی تبلیغ کے اثر سے جوق در جوق ہندو لوگ دائرہ اسلام میں آنے لگے اور رائے ہتمورا کے کئی ایک درباری اور عمائدین بھی مشرف بہ ایمان ہوئے تو رائے

تھمورا نے خواجہ صاحب کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا، جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”تھمورا رازندہ یہ مسلمانوں داہم“ حضرت کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی چنانچہ سلطان شہاب الدین نے 588ھ میں تراوڑی کے مقام پر رائے تھمورا کو شکست فاش دی، تھمورا دریائے سرسوتی کے کنارے گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ فتح کے بعد سلطان شہاب الدین حضرت خواجہ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور بیعت سے مشرف ہوا۔ شہاب الدین غوری کی فتح ہند کے بعد اہل اسلام کے سیاسی اقتدار اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے فیوض و برکات سے برصغیر ہندوستان اسلام کے نور سے روشن ہو گیا۔ ”برصغیر میں اسلام آتے ہی دو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں ایک ان لوگوں کی تھی جن کے ہاتھوں میں تلوار و تفتک تھے اور دوسری ان درویشوں کی جن کے ہاں فقر و فاقہ تھی لیکن جن کی بدولت ہندوستان اور پاکستان کے علاقہ جات میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب اور آپ کے سلسلہ عالیہ کے ذریعہ تقریباً نوے لاکھ (90 لاکھ) ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور آج انہیں لوگوں کی نسلیں برصغیر میں 40 کروڑ کے لگ بھگ ایک عظیم سیاسی اور سماجی قوت ہیں۔

از فیض اوبجائے صلیب و کلیسا
در دار کفر، مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بود نعرۂ فریاد مشرکوں
انوں خوش نغمہ اللہ اکبر است

ازدواجی زندگی اور اولاد خواجہ صاحب نے اجیر کے قیام کے زمانہ میں دو شایاں کیں۔ پہلی زوجہ بی بی عصمت بنت سید و جیہہ الدین مشہدی تھیں، یہ محترم خاتون سید حسین مشہدی خنگ سوار جو سلطان قطب الدین ایبک کی جانب سے اجیر چھاوٹی کے کمانڈر تھے) کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کے بطن سے تین بیٹے ہوئے خواجہ محی الدین شیخ ابو سعید (2) خواجہ ضیاء الدین عرف فخر الدین ابو الخیر (3) خواجہ حسام الدین صاحب کی دوسری اہلیہ ایک نو مسلم راجپوت راجہ کی بیٹی تھیں نام ان کا بی بی امہ اللہ تھا۔ ان کے بطن سے بی بی حانظہ جمل پیدا ہوئی تھیں۔ اپنی اولاد میں سے خواجہ صاحب نے خواجہ فخر الدین اور بی بی حانظہ جمل صاحبہ کو خلافت سے نوازا۔ بی بی حانظہ جمل عورتوں میں تبلیغ کیا کرتی تھیں اور انہیں شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھی۔ ان کا عقد شیخ رضی الدین عبداللہ بن قاضی حمید الدین ناگوری سے ہوا۔ دو فرزند تولد ہوئے جو صغیر سنی میں فوت ہو گئے تھے۔

آپ کے صاحبزادہ خواجہ فخر الدین صاحب ہیں برس تک زیب وہ مسند ارشاد و ہدایت رہے۔ آپ کی وفات 63 ہجری 653ھ میں ہوئی اور جائے وفات سٹروار سرحد سابقہ ریاست کشن گڑھ (راجستان) ہے جو کہ اجمیر شریف سے 34 میل کے فاصلہ پر ہے۔

دوسرے صاحبزادہ شیخ ابو سعید کم سنی میں ہی وفات پا گئے۔ آپ کے تیسرے صاحبزادہ خواجہ شیخ حسام الدین سن شعور سے ابدالوں کی صحبت میں رہتے تھے اور آخرش رجاہ غیب میں شمار کئے گئے۔ (گلزار ابرار غوثی)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے پوتے جناب حسام الدین سوختہ تھے جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی کے ہم عصر تھے حضرت سوختہ کے خلف خواجہ معین الدین خورد تھے جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید تھے خواجہ خورد کی قبر بی بی حانظہ جمل صاحبہ کے سمت پائیں ہے۔

لباس و غذا: خواجہ معین الدین کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا۔ یہ پوشاک دو تائی اگر کہیں سے پھٹ جاتی تو بخیہ کر لیا کرتے یا ضرورتاً "پیوند لگا لیتے۔ عموماً" پرانی چندیاں پیوند لگا کر پہن لیا کرتے۔

ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں آپ سات سات دن تک لگاتار روزے رکھتے اور صرف پانچ مشقل وزن کی مکئی سے روزہ افطار کرتے۔ بسا اوقات خشک روٹی کو پانی میں تر کر کے کھا لیا کرتے۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ خواجہ صاحب صائم الدہر ہے۔ سفر میں آپ تیر و کمن نمکدان اور چھمق ساتھ رکھتے اور چمند پرند کا شکار کر کے روزہ افطار کرتے۔

مصنف و شاعر: خواجہ صاحب نے اپنے مرشد حضرت عثمان ہارونی کے ملفوظات کو مرتب کیا اور اسے "انیس الارواح" سے موسوم کیا۔ آپ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے اس کے بارے میں صاحب آتش کدہ آذر نے آپ کی دو رباعیات درج کتاب کی ہیں جو تیر کا "یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

عاشق ہمہ دم فکر رخ دولت کند
معتوق کرشمہ کہ نیکوست کند
ما جرم و خطا کہیم اولطف و عطا
ہر کس چیزے کے لائق اوست کند

اے بعد بنی برسر تو تاج نبی
 اے داد شہاں ز تیغ تو بلج نبی
 آئی تو کہ معراج تو بلا ترشد
 یک قامت احمدی ز معراج نبی

یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے نام سے منسوب دیوان اشعار کی اکثر غزلیات ملا معین کاشفی ہراتی کی ہیں جو نویں صدی ہجری کے درویش علماء میں سے تھے۔ شاہ ہست حسین پادشاہ ہست حسین والی رباعی بھی خواجہ معین الدین چشتی کی نہیں ہے لیکن یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ حضرت خواجہ شاعر بھی تھے۔

معمولات: آپ بہت کم سوتے تھے اور عام طور سے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت صبح اور رات کے وقت کرتے تھے۔ نقل ہے۔ کہ ایک کلام پاک صبح اور دوسرا رات کے وقت ختم کیا کرتے تھے۔ مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب آپ کسی قصبہ یا شہر میں پہنچتے تو وہاں کے قبرستان میں قیام کرتے تھے، لیکن اگر لوگوں کو آپ کی خبر لگ جاتی تو وہاں سے چپ چاپ کسی اور سمت نکل جاتے۔ آپ کی طبیعت میں درگزر اور معاف کر دینے کی صفت درجہ کمال میں تھی اپنے مریدوں اور خلفا سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے آپ کے لنگر خانہ میں بڑی فراوانی سے کھانا پکاتا تھا۔ جس سے غریب و نادار۔ مسافر پروسی۔ طلباء۔ مہمان اور فقراء شکم سیر ہو کر کھانا کھاتے تھے لنگر کے خرچ کے لئے کسی سے ایک پیسہ بھی نہ لیتے تھے۔ جب خرچ ختم ہو جاتا تو اپنے مصلیٰ کا ایک کونہ اٹھاتے اور خلوم مطبخ کو حسب ضرورت خرچ عطا کر دیتے تھے۔ کسی پروسی کا انتقال ہو جاتا تو اس کے جنازہ کے ساتھ ضرور جایا کرتے تھے نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ قبرستان سے واپس ہو جاتے تو آپ تنہا میت کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتے۔ قبر و آخرت کا کبھی ذکر آجاتا تو خواجہ صاحب پر گریہ طاری ہو جاتا اور کبھی چیخیں مار کر روتے۔ خواجہ صاحب شریعت کے آداب کی پابندی کرتے اور اتباع سنت کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ درود شریف کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور مریدوں کو اس کی خاص تلقین فرماتے۔ خواجہ صاحب حدیث نبوی بیان کرتے تو ان پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اپنے ملفوظات میں حضور نبی اکرم کا ذکر خیر نہایت ہی والہانہ انداز میں فرماتے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے روز حضور سرور دو عالم سے شرمندہ ہوگا۔ اس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا اور وہ کہاں جائے گا۔ خواجہ صاحب یہ

فرمانے کے بعد ہائے ہائے کر کے رو پڑتے۔ (سیرالاقطاب)

خواجہ معین الدین چشتی ساری زندگی عشق خدا میں بے خود و وارفتہ رہا کئے اور ساتھ ہی ساتھ محبت رسول مقبول علیہ السلام سے سرشار و مجبور رہے۔

سمع بسلسلہ عالیہ چشتیہ میں سماع جائز ہے۔ خواجہ صاحب اس کا ذوق رکھتے تھے اور اس سے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ دلیل العارفین میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ جب خواجہ معین الدین صاحب حضرت ابو یوسف چشتی کی خانقاہ میں قیام پذیر تھے تو وہاں محفل سماع میں ذیل کے دو اشعار سن کر خواجہ معین الدین کئی روز تک بے ہوش رہے۔

عاشق بہ ہوائے دوست بے ہوش بود
و زیاد محبت خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیراں ماند
نام تو درون سینہ و گوش بود

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا قول ہے کہ سماع اسرار الحق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں (1) انوار (2) احوال (3) آثار اور یہ تین چیزوں پر نزول کرتی ہیں یعنی اول ارواح پر دوم قلوب پر اور سوم جوارح پر۔ سیرالاقطاب میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی سے یہ روایت منقول ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی محفل سماع میں بغداد کے دیگر مشائخ کبار کے علاوہ جو بزرگ شریک ہوا کرتے تھے ان میں حضرت شہاب الدین سروردی، شیخ محمد کہانی، شیخ محمد صفاہانی، شیخ برہان الدین چشتی، مولانا بہا الدین بخاری، مولانا محمد بغدادی، خواجہ اجل سنجر، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ احمد بن محمد اصفہانی، شیخ جلال الدین تمبرزی، شیخ اوحد الدین، شیخ احمد واحد، شیخ برہان الدین غزنوی، خواجہ سلیمان اور خواجہ عبدالرحمن خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تعلیمات و ارشادات: آپ کی تعلیمات نہایت ہی بصیرت افروز ہیں جن کا مخلص ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(1) خدا پر توکل کئے رہو اور کسی سے کوئی توقع نہ رکھو۔

(2) جو خدا تعالیٰ کا دوست ہوگا اس میں یہ صفات ضرور ہوں گی (1) اختیار صحبت صالحین (2) سخاوت (3) شفقت اور (4) تواضع

(3) تین چیزیں گوہر نفس ہیں (1) دشمن سے دوستی کرنا (2) اپنے افلاس کو چھپانا اور اپنا دکھ

درد کسی سے ظاہر نہ کرنا (3) خداوند کریم پر کامل توکل رکھنا۔

(4) ثابت قدم مرید وہ ہے جس سے بیس سال تک کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو۔

(5) عاشق وہ ہے کہ آج صبح کی نماز ادا کرے اور دوسری صبح تک اس کی لذت اور خیال میں محو ہے۔

(6) کسی سخت مصیبت یا بیماری میں مبتلا ہونا صحت ایمان کی دلیل ہے۔

(7) غریبوں سے محبت رکھو اور جھوٹ اور غیبت سے بچتے رہو۔

(8) جو فقر و فاقہ اور بیماری کو دوست رکھتا ہے خدائے تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔

(9) نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے۔

(10) صدقہ دینا ہزار رکعت نفل نماز سے افضل ہے۔

(11) مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے ایسے شخص کی دعا سو دن تک قبول نہیں ہوتی ہے۔

(12) حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ اگر کوئی شخص درد و غم میں

مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے کہ وہ اوراد و وظائف چھوڑ کر اس کی

جانب متوجہ ہو اور اپنے مقدر کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے۔

(13) افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے۔

(14) تین شخص بہشت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔ ایک جھوٹ بولنے والا درویش دوسرا

کنجوس آدمی اور تیسرا خیانت کرنے والا بوداگر۔

(15) منہمکہ عام عبادات (مثلاً نماز اور روزہ) کے اہل سلوک کے لئے پانچ دیگر عبادتیں

ضروری ہیں۔ (1) والدین کی خدمت (2) قرآن مجید کی تلاوت (3) علماء اور مشائخ کی تعظیم

اور دوستی (4) خانہ کعبہ کی زیارت (5) مرشد کی خدمت

(16) سالک کے لئے لازم ہے کہ منہمکہ اور گناہوں کے ان چار گناہوں سے بچے (1)

قبرستان میں ققمہ لگانا۔ (2) قبرستان میں کھانا پینا کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے۔ (3) مردم

آزاری کرنا (4) خدا تعالیٰ کا نام لے کر لرزہ براندام نہ ہونا۔

(17) عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے۔

(18) اہل طریقت کے لئے راہ سلوک میں دس شرطیں لازمی ہیں یعنی صوم و صلوة کی

پابندی۔ تقویٰ، استقامت شریعت کم کھانا اور کم سونا، کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول

رکھنا، طلب حق، طلب مرشد کامل، اوب و رضا، محبت و ترک فضول۔

(19) اسی طرح دس شرطیں اہل حقیقت کے لئے ضروری ہیں۔

(1) معرفت میں کامل ہونا (2) کسی کو رنج نہ پہنچانا اور نہ کسی کی برائی کرنا۔ (3) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور عاقبت میں نفع کا پہلو ہو (4) تواضع کرنا (5) خلوت اختیار کرنا (6) ہر آدمی کو عزیز و محبوب رکھنا اور اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھنا (7) رضا و تسلیم (8) ہر دکھ درد اور مصیبت میں صبر و تحمل کرنا۔ (9) عجز و نیاز اور طبیعت میں سوز و گداز کا پیدا کرنا (10) قناعت اختیار کرنا اور توکل پسند ہونا۔

(20) چاہئے کہ بندہ درود شریف پڑھنے کی کثرت کرے۔

(21) ازکار و اشغال جو معمولی ہیں ان کی تکمیل مرشد کے روبرو کرے جو واقعہ گزرے اس کو سوائے مرشد کے کسی سے نہ کہے۔

(22) کلام اولیاء اللہ پڑھنا نافع ہے۔

وفات میرالاقطاب میں تحریر ہے کہ جس رات حضرت خواجہ معین الدین نے انتقال فرمایا تھا اس شب بعد از نماز عشاء اپنا حجرہ بند کر لیا اور ہمدموں کو ممانعت فرمائی کہ کوئی اس جگہ نہ آئے۔ خالص حضور عالی حجرہ کے گرد موجود رہے انہوں نے حجرہ کے اندر سے ایسی آوازیں برابر سنیں کہ جیسے پیروں کی آہٹ ہو جو عموماً "عاشقان الہی کے وجد کرتے وقت سنائی دیتی ہیں۔ رات کے پچھلے پہر وہ آواز بند ہو گئی۔ فجر کی اذان کے بعد مریدان خاص نے حجرہ پر دستکیں دیں اور پکارا کئے لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ تو مجبوراً "دروازہ کھولا گیا دیکھا کہ حضرت خواجہ وفات پا چکے تھے آپ کی پیشانی مبارک پر خط نور سے لکھا تھا "ہذا حبیب اللہ مافی حب اللہ"

حضرت کی وفات بروز دوشنبہ اور بتاریخ چھ ماہ رجب 633ھ میں بعد سلطان شمس الدین التمش وقوع میں آئی۔

کرامت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی سب سے بڑی کرامت تو یہ تھی کہ آپ کے بنا کردہ سلسلہ کی بدولت تقریباً "نوے لاکھ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے دوسری کرامت یہ تھی کہ جس فاسق و فاجر پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ ہمیشہ کے لئے گناہوں سے تائب ہو جاتا تھا۔

ایک روز ایک عورت روتی بیٹتی خواجہ صاحب کی خدمت میں آئی اور عرض کی کہ اس کے بیٹے کو حاکم شہر نے ناحق قتل کر ڈالا ہے۔ حضرت کو اس عورت پر رحم آیا اور اپنا

عصا لے کر چند خادموں کے ہمراہ اس جگہ پر پہنچے جہاں سر بریدہ نفس پڑی تھی آپ نے مقتول کا سر اس کے دھڑ سے ملا کر بلند آواز سے فرمایا کہ اے مظلوم اگر تجھے بے گناہ مارا ہے تو خداوند تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو چند ثانیوں میں اسے جنبش ہوئی اور وہ کھڑا ہو گیا، خواجہ صاحب کو آداب بجالایا اور اپنی ماں کے ہمراہ اپنے گھر چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ شہاب الدین اور شیخ واحد الدین کہانی دہلی میں موجود تھے ان کے سامنے سے ایک نو عمر لڑکا تیر و کمان ہاتھ میں لئے گزرا۔ خواجہ صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ لڑکا دہلی کا حکمران ہو گا کہ ایسا ہی میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا ہے۔ اور یہ میرے سلسلہ (چشتیہ) میں نامزد ہو گا۔ یہ لڑکا شمس الدین تھا جو بعد میں سلطان التمش کے نام سے مشہور ہوا۔

غرضیکہ کہاں تک بیان کیا جائے آپ کی کرامتوں کے تذکرہ کے لئے تو ایک دفتر درکار

ہے۔

86708

~~86708~~

خواجہ غریب نواز کا عرس مبارک

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دم قدم سے اجمیر نام کا غیر معروف قصبہ 'اجمیر شریف' کے نام سے مشہور ہوا اور تا قیامت عقیدت کیشان بارگاہ خواجہ اسے متبرک مانتے ہوئے لفظ "شریف" کا اضافہ کر کے ہی اس نورانی جگہ کا محبت سے تذکرہ کرتے رہیں گے۔

بروم از داغ سودائے تو سر تا پائے من
تاجر عشقیم وزیں ہا مایہ سودائے ما

ہر روز ہزاروں زائرین خواجہ ہندالولی حضرت معین الدین چشتی کے آستانہ عالیہ پر حاضری کے لئے آتے رہتے ہیں۔ سالانہ عرس کے موقعہ پر لاکھوں مسلمان اور ہزاروں غیر مسلم منتیں ماننے اور نذریں گزارنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کمال لطف سے اور سرکار دو عالم کی رحمۃ اللعالمینی کے صدقہ میں یہاں آنے والے طالب رحمت کو مایوس نہیں لوٹاتے، ہر زائر علی قدر طرف غریب نواز کے فیوض روحانی سے شاد کام و بامراد ہو کر لوٹتا ہے۔

خواجہ تمہاری شان بھی کیا شان ہے کہ تم
بندے خدا کے ہو کے بھی بندہ نواز ہو
حضرت خواجہ کو واصل باللہ ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں لیکن آپ کا فیض برابر جاری ہے۔

تأمین ذرہ صفت رفت پئے نورازل
نہ طلوع ونہ غروب و نہ زوالے دیدم
بھارت، بنگلہ دیش، برا، ایران اور پاکستان سے ہزاروں زائرین عرس کے موقعہ پر اجمیر شریف جوق در جوق پہنچتے ہیں۔

بیا کہ کعبہ اہل دل است خواجہ معین
طواف مرقد او می کنند شاہ و گدا
حج بیت اللہ کے عظیم روحانی اجتماع سے دوسرے درجہ پر روحانی اجتماع اجمیر شریف کے عرس پر ہوتا ہے۔ مسلم زائرین یہاں نمازوں کی ادائیگی بڑی پابندی سے کرتے ہیں ان

دنوں قرآن خوانی اور مجالس ذکر کا عجیب سماں رہتا ہے۔ آستانہ غریب نواز کی رونق دیدنی ہوتی ہے اور محافل سماع کہ روحانی غذا کے مصداق ہیں ہر شب باقاعدگی سے برپا ہوتی ہیں۔ سماع کا لطف اور اثر جو یہاں محسوس ہوتا ہے اور کسی جگہ نہیں۔ یہاں قوالی قدیم روایتی انداز میں ہوتی ہے۔ جس میں صدیوں پرانے مخصوص آداب و اکرام کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ قوالی جسے صوفیاء کی اصطلاح میں سماع کہا جاتا ہے چشتی بزرگوں کو مرغوب رہی ہے خواجہ غریب نواز نے بھی اسے سنا ہے۔

قوالی

ریڈیو، ٹیلی ویژن پر جو قوالی پیش کی جاتی ہے یا میلبے ٹھیلوں، شادیوں اور دیگر عوامی تقاریب میں جس گانے بجانے کو قوالی کا نام دیا جاتا ہے وہ ہرگز روایتی سماع نہیں ہے۔ اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے قوالی بزرگان دین کے عرسوں پر ہی سنی جاسکتی تھی جہاں سامعین کی اکثریت اولیاء اللہ سے عقیدت رکھنے والوں کی ہوا کرتی تھی قوال جو کلام پیش کیا کرتے تھے وہ صوفیاء کرام کے اقوال و افکار پر مبنی ہوا کرتا تھا اب یہ بات نہیں رہی ہے۔

نکل چکی ہے وہ کوسوں دیار حماں سے

برصغیر میں قوال زیادہ تر حضرت امیر خسرو اور حضرت فخرالدین عراقی کا کلام گایا کرتے تھے، قوال عموماً "متشرع ہوا کرتے تھے۔ ابتداء میں قوالی بغیر ساز کے ہوا کرتی تھی۔ کلام خوش الحانی سے پڑھا جاتا تھا۔ پھر عارفانہ کلام دف کی ضرب لگا کر گایا جانے لگا۔ لیکن حضرت امیر خسرو دہلوی (مرید خاص حضرت نظام الدین اولیا محبوب الہی) کا زمانہ آیا تو ستار اور ڈھولک نے دف کی جگہ لے لی اور شدہ شدہ اور مزامیر بھی استعمال کئے جانے لگے۔ اب قریب ایک صدی سے ہارمونیم کے علاوہ کلارنٹ اور دیگر مغربی آلات موسیقی بھی در کر آئے ہیں۔

موسیقاروں نے قوالی کے حوالہ سے تین تال مخصوص کئے ہیں آٹھ ماترے کا تال (جو سولہ ماترے کے تال کا نصف ہے) اور سات ماترے کا تال جو چودہ ماترے کے تال کا آدھا ہے) اور چھ ماترے کا تال جو بارہ ماترے کے تال کا آدھا ہوتا ہے۔ آٹھ ماترے کے تالوں میں آہا شتالہ قوالی اور کہروا تال ہیں۔

سات ماترے کے تالوں میں شیشو تال۔ ادھک تال اور تیواتل ہیں جب کہ چھ ماترے کے تالوں میں صرف ایک داورا تال ہے۔ یہ سب قوالی کے ہی تال معروف ہیں اور قوالی میں پیش کئے جانے والے کلام کی مختلف طرزوں اور متنوع وزنوں کی غزلیات میں ان

کی طرزوں کی موزونیت و مناسبت سے استعمال ہوتے ہیں اور اپنی مخصوص تریوں اور اپنے مختص ٹھیکوں کی بنا پر ایک دوسرے سے منفرد اور جداگانہ رنگ پیدا کرتے ہیں حضرت امیر خسرو کی جدت طبع نے جو حسین امتزاجات مختلف راگ راگنیوں میں کئے وہ ان تالوں کا لازوال حسن ہیں آپ کے بعد بھی مختلف ادوار میں کئی ایک بڑے موسیقاروں نے بھی اپنی منفرد جودت طبع دکھائی۔

قوالی میں پیش کردہ کلام، صوفیا کے لئے منازل سلوک طے کرنے کے لئے ایک چراغ راہ ہے جب کہ عامتہ الناس کے کانوں میں گھلتا رس ان کے دل و دماغ کو فرحت و انبساط بخشتا ہے۔ کلام کے کسی ایک مصرعہ یا ایک شعر کی تکرار سامعین پر وجد و حال کی کیفیت پیدا کئے دیتی ہے کئی لوگ وجد میں رقص کرنے لگتے ہیں اور کوئی فرش پر بیقرار لوٹنے لگتا ہے۔ ایک مرتبہ ذیل کے دو اشعار کے تکرار نے سامعین پر وجد کی کیفیت طاری کر دی تھی۔

آرزو وارم کہ مہمانت کنم
جان و دل اے دوست قربانت کنم
اے کہ باسلسلہ زلف دراز آمدہ ای
فرمت باد کہ دیوانہ نواز آمدہ ای

اہل دل اور صاحب حال لوگوں کو ان اشعار نے بیقرار کر دیا اور کوئی درجن بھر بارش صوفی بزرگ حال میں آگئے اور رقص کرنے لگے۔

بہ نیاز و دل شکن چو نیاز مندے تو ایم
ترامے کہ اسیر خم کند تو ایم
چہ حاجت ست بہ زنجیر پائے ماہستن
کہ باسلسلہ زلف پائے بند تو ایم

قوالوں نے خاکسار سے داد طلب کی، مجھ پر گر یہ طاری تھا حواس کچھ بجا ہوئے تو میں نے یہ شعر پڑھ دیا۔

کعب خوانم یا پیمبر مصحف است ایں یا خدا
اصطلاح شوق بسیارست و من دیوانہ ام
قوالوں نے اسے بار بار پیش کیا اور مجلس کو لوٹ لیا۔

یہاں ایک واقعہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی کا یاد آگیا ہے۔ حضرت موصوف کی محفل میں ایک روز یہ رباعی پڑھی گئی۔

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد
 و آن دیدہ کجا کہ در جمل تو رسد
 کیرم کہ ہرہ بر گرفتن ز جمل
 آن روح کجا کہ در جلال تو رسد

ان اشعار کو بار بار پیش کیا گیا تو بابا صاحب پر حالت طاری ہوئی اور شب بھر بے ہوش رہے، اولیا کے دل خداوند قدوس کی محبت سے لبریز اور عشق مصطفوی سے سرشار ہوتے ہیں ان کے لئے ساز مضراب کی ہلکی سی ارتعاش ہی کیف پیدا کر دیتی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت شیخ بہا الدین زکریا ملتانی کا نقل کیا جاتا ہے۔ عبد اللہ قوال ملتان پہنچا اور آپ کی خدمت میں معروض ہوا کہ جناب عالی آپ کے صاحب سلسلہ شیخ اشیوخ سید شہاب الدین سروردی علیہ الرحمۃ نے مجھ سے کلام سنا ہے اگر اجازت ہو تو کلام سامعہ نواز کروں جو اباً حضرت نے فرمایا کہ جب شیخ اشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا۔ بعد نماز عشاء ایک پہر رات گذری اور دو سیپارے قرآن مجید کے تلاوت کئے اور پھر قوالوں کو سماع کا اذن دیا۔ عبد اللہ ولی قوال نے بار بار یہ شعر پڑھا۔

مستل کہ شراب ناب خوردند
 از پہلوئے خود کباب خوردند

غوث بہاء الحق زکریا پر وجد طاری ہوا اور آپ کھڑے ہو گئے اور کئی دوسرے شرکاء محفل بھی بیقرار ہو گئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلوی نے تو بوقت سماع اس شعر پر جان جان آفرین کے سپرد کی تھی۔

کشتگان خنجر تسلیم را
 ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

اس طرح کے اور بے شمار واقعات کتابوں میں درج ہیں۔ سماع کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، صوفیا اور علماء کے بہت سے مباحث بھی موجود ہیں۔ علماء عام طور پر سماع سے معترض رہے ہیں، اور ان میں بعض اس کی اباحت کے بھی قائل نہ تھے لیکن اہل تصوف میں اس کا برابر چرچا رہا ہے۔ نقشبندی بزرگوں کے سرخیل حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ ”من نہ اس کارے کنم نہ انکارے کنم“ چشتی اور سروردی سلاسل روحانی میں سماع کا رواج رہا ہے اور ہے۔ قادری سلسلہ کی محافل میں بھی

بعض پابندیوں کے ساتھ سماع روا رہا ہے۔

یہ مضمون تشنہ رہے گا اگر ہم گرامی صوفیاء کے افکار عالیہ جو اس موضوع سے متعلق ہیں درج نہ کریں حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ سماع حق تعالیٰ کی واردات میں سے ہے اس کی سماعت سے دل کی انگلیں اور جذبات لطیفہ ابھرتے ہیں اور جو سننے والا سماع کو حق کے ساتھ سنتا ہے وہ حق کی راہ پالیتا ہے لیکن جو فرد اپنی ہوس نفسانی کے ساتھ سنتا ہے وہ خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سماع راحت دل ہے اور اس سے اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے حرکت کے بعد حیرت اور حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد مدہوشی طاری ہو جاتی ہے اور یہی چار چیزیں معرفت (الہی) کے اسباب بنتی ہیں آپ کے محبوب خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی کا ارشاد ہے کہ سماع ایک صوت موزوں ہے اس لئے حرام نہیں۔ اس سے تحریک قلب ہوتی ہے اگر یہ تحریک یاد حق کے لئے ہو تو مستحب ہے اور اگر فساد (نفس) کی طرف مائل کرے تو البتہ حرام ہے۔ سماع سے انوار عالم ملکوت سے ارواح پر احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم فلک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں۔

اپنی مشہور عالم تصنیف ”کشف المحجوب“ میں حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری نے لکھا ہے کہ مجھے یہ اصول پسند ہے کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ بیٹھایا جائے تاکہ ان کی طبیعت پر آگندہ نہ ہو اور اپنی اعزاداری اور بے حوصلگی سے سامعین کے ذوق وجد کو بھی تباہ نہ کریں کیونکہ عموماً ”ضبط نفس سے عاری ہوتے ہیں اور ہیجان پیدا کرنے والے تاثرات ان کے لئے تشنگی کا باعث بن جاتے ہیں۔ شیخ ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ شہر کرمان گیا اور شیخ ابواحمد مظفر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں سفر کے لباس میں اور پریشان حال تھا۔

شیخ موصوف نے مجھ سے پوچھا کہ اے ابوالحسن کس چیز کی خواہش ہے میں نے کہا کہ اس وقت سماع کی طلب ہے چنانچہ آپ نے ایک قوال کو بلایا اور سامعین کی ایک جماعت بھی بڑا جوش و خروش رکھنے والوں کی آئی۔ مجھے سماع کے الفاظ (مضمون) نے مضطرب اور بے خود کر دیا جب کچھ وقت گزارا۔ میرا جوش کم ہوا تو پوچھنے لگے کہ سماع کا اثر تیری طبیعت پر کیا ہوا میں نے جواب دیا کہ اے شیخ بڑا مسرت افزا۔ اس پر شیخ ابواحمد فرماتے لگے ہ ایک وقت آئے گا کہ سماع اور کوئے کی آواز میں تیرے لئے فرق نہیں رہے گا کیونکہ شوق

سمع اسی وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہ ہو اور جب مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو سماع کی خواہش خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ دیکھو! سماع کی عادت نہ ڈالنا تاکہ طبیعت کا جزو نہ بن جائے اور ہمہ وقت اسی میں نہ پڑے رہو۔

حضرت شیخ علی ہجویری العروف داتا گنج بخش لاہوری نے اس ذیل میں مزید ذاتی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ اسے مزامیر اور خوشگوار نغمہ اور ترنم اچھے نہیں لگتے تو وہ شخص یا تو جھوٹ بولتا ہے یا مناقہ ہے یا اس میں حس لطیف بالکل ہی مفقود ہے چنانچہ ایسا شخص اپنی بے حس اور ذہنی اندھے پن کے سبب چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

لوگوں کو مختلف طبائع کے لحاظ سے سماع کے احکام بھی مختلف ہیں اور اگر کوئی فرد تمام لوگوں کو ایک ہی زمرہ میں شمار کرے تو یہ صریح بے وقوفی ہوگی۔ سماع کے شائقین دو گروہوں میں ہیں ایک تو وہ ہیں جو محض معانی سے واسطہ رکھتے ہیں اور (سماع کے) الفاظ اور آواز کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ جب کہ دوسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں آواز مترنم کے دلدادہ ہیں۔ مذکورہ دونوں صورتوں کے فوائد بھی ہیں اور ضرر بھی وجہ یہ ہے کہ حسن کو دیکھنے اور دلکش نغموں کے سننے سے جو جذبات انسانوں کی طبیعتوں میں جوش مارتے ہیں اگر وہ حق ہوں تو طبائع میں حق زور پکڑتا ہے اور اگر باطل ہوں تو طبیعت میں باطل راجح ہوتا ہے پھر آپ لکھتے ہیں کہ سماع کے خاص آداب ہیں کہ جب تک ضرورت محسوس نہ ہو تو سماع نہ کرے اور اسے عادت کے طور پر بھی اختیار نہ کرے اور جب سماع کرے تو کافی دیر کے بعد کرے تاکہ اس کی تفتیح تیرے دل سے محو نہ ہوا اور یہ لازمی امر ہے کہ جب تو سماع کرے تو تیرا مرشد اس جگہ حاضر ہوا اور سماع میں عوام اور بے ذوق لوگ بالکل نہ ہوں۔ اور پھر قوالوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ماہر فن (موسیقی) ہوں۔ صاحب عشق و حال اور ذی عزت ہوں اور سماع میں دل کو مشاغل دیناوی ہے فارغ اور ایک سو (بطریق حق) ہونا چاہئے۔ طبیعت لہو و لعب سے متنفر ہو اور سماع کے لئے طبیعت میں صلاحیت اور قوت برداشت ہو۔ محفل سماع میں تکلف سے شامل نہیں ہونا چاہئے اور جب سماع کی خواہش شدت اختیار کرے تو اس کو اپنے سے دور نہیں کرنا چاہئے اور اپنے وجد و ذوق کو سماع کا تابع کر دینی وہ جس امر کا تقاضا کرے اسی کو اختیار کرو۔ اگر سماع وجد و سرور میں لائے تو وجد کرد اور جنبش (حرکت) میں آو اور اگر طبع میں سکون و آرام پیدا کرے تو ساکن ہو جانا چاہئے اور ہاں پھر سماع سننے والے میں اس قدر تاب دیدار ہو کہ واردات حق کو حوصلہ مندی

سے قبول کر سکے۔ اور اس کی سنجیدگی سے داد دے سکے۔

سمع سے متعلق مخدوم الملک حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ کو ان کے مرشد نے نصیحت کی تھی کہ سمع کے وقت باطنی احوال ظاہر نہ ہوں۔ چنانچہ آپ کو جب کبھی محفل سمع میں حال وارد ہوتا تو خلوت میں چلے جاتے تھے۔

نذر خواجہ خواجگان، سلطان الہند حضرت معین الدین اجمیری

زہے خوبی کہ پھر اس وفد میں ہم سب ہوئے شامل
 زیارت درگہ حضرت معین الدین ہوئی حاصل
 یہ کیا درگاہ ہے جس پر سدا رحمت برستی ہے
 کھچا جاتا ہے دل جس کی طرف یہ کیسی بستی ہے
 یہ کیا شہر ہے اجمیر جس میں دفن خواجہ ہیں
 زیارت کے لئے جن کی جہاں کے لوگ شیدا ہیں
 چلے آتے ہیں کھینچے ان کی جانب ان کے شیدائی
 یہ کیا عشق ہے ان کا کہ اہل دل ہیں سودائی
 لبوں پہ اہل پاک و ہند کے ان کا فلسفہ ہے
 مدح خواں ان کی ہے دنیا زباں پر یہ ترانہ ہے
 کہ اے خواجہ تمہارے فیض سے سینے ہوئے روشن
 ادھر بھی اک نظر ہو اب رہے خالی نہ یہ دامن
 خدا نے آپ کو بخشی ہے محبوبی زمانے کی
 ”دلوں کی حکمرانی“ ہے یہی سرخی فسانے کی
 یہ کیا سلسلہ گوہر نشاں ہے فیض یابوں کا
 کہ قطب الدین ”شکر سراج“ و نظام الدین ”تک پہنچا
 نصیر الدین“ چراغِ دہلوی کا نور پھر چمکا
 رہی یوں شمع عرفاں سے منور عشق کی دنیا
 ابھی تک فیض اے خواجہ تمہارے در کا جاری ہے
 ہر اک شاہ و گدا اب تک اسی در کا بھکاری ہے
 علی احمد پہ بھی لطف و کرم کی اک نظر کیجئے
 دل تاریک کو انوار سے شمس و قمر کیجئے

منجانب: سراپا عقیدت و خلوص سردار علی احمد خاں

خانقاہیں اور رسومات

برصغیر پاکستان و ہند میں اولیائے کرام کی آمد کے ساتھ ہی خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں۔ یہ وہ جگہیں تھیں۔ جہاں تسکینِ قلوب کا لنگر بٹاتا تھا۔ عبادت گزار بندے پر سکون ماحول میں اوراد و وظائف، صوم و صلوة ادا کیا کرتے تھے۔ خانقاہیں وہ روحانی مراکز تھے کہ جہاں مناسب و معقول دینی و روحانی تربیت کے بعد اسلامی مشن کے فروغ کے لئے مبلغ پیدا کئے جاتے تھے۔ ان خانقاہوں کا ایک مربوط ڈسپن تھا اور مخصوص رکھ رکھاؤ جس کی پابندی یہاں کے جملہ متعلقین یعنی خدام۔ مریدین۔ عام زائرین اور مہمانوں کو لازماً کرنا پڑتی تھی۔ شریعت کی پابندی کے ساتھ ساتھ خانقاہ کے نظم و ضبط اور رسومات سلسلہ کی بجا آوری بھی ضروری خیال کی جاتی تھی۔ خانقاہ کے روحانی مسلک کا سربراہ مرشد یا پیر کہلاتا تھا جو بالعموم اپنے روحانی سلسلہ کے پیر سے باقاعدہ اجازت یافتہ خلیفہ ہوا کرتا تھا۔ خانقاہ سے متعلق مریدوں کی روحانی تربیت، دینی امور میں ان کی رہنمائی اور بعض حالتوں میں مساکین و نادار لوگوں کی مالی اعانت یا دیگر دنیاوی امور میں امداد و دیکھیری، مرشد کی ہی ذمہ داری ہوا کرتی تھی جس کی سرانجام دہی کے لئے تقسیم کار کی جایا کرتی تھی اور مختلف امور کے لئے جدا جدا منصرم و منتظم مقرر کئے جاتے تھے۔ مثلاً "خدمات وضو" امامت نماز، درس قرآن و حدیث اور فقہ، شعبہ فتویٰ لنگر کا انتظام و تقسیم وغیرہ۔

یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ انہی خانقاہوں نے وہ مبلغ و مصلح پیدا کئے کہ جن کی مساعی سے کروڑوں انسان مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے سعادت اخروی حاصل کی۔

برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام بھی درہم برہم ہو گیا، روحانی سوتے خشک ہو جانے کے باعث خانقاہوں کی افادیت ختم ہو کر رہ گئی اور نتیجتاً یہ مقدس درس گاہیں محض اعراس کے موقعوں پر گہما گہمی اور میلوں ٹھیلوں کا سا منظر پیش کرنے لگیں۔ ریاضات اور روحانی مشقوں کی بجائے محض رسومات رہ گئیں۔ اور یہ اس لئے بھی ہوا کہ عہد گزشتہ کے مرشدان عالی مقام کی جانشینی بعض نااہل اور دنیا دار مجاوروں کے تصرف ذاتی میں آگئیں۔ اور وہ بیشتر حالتوں میں روحانی وڈیرے اور جاگیردار بن گئے۔ اس صورتحال سے اولیاء اللہ کی خانقاہوں کا تقدس بھی مجروح ہوتا رہا اور ان کے پاکیزہ روحانی

سلسلہ اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بھی بے اندازہ نقصان پہنچا۔

خانقاہیں اور دور جدید: یہ قیام پاکستان کی برکت ہے کہ نہ صرف برصغیر میں بلکہ ایران و ترکی، مشرق اوسط مشرق بعید اور مغرب میں احیائے اسلام ہو رہا ہے۔ اور تصوف میں دلچسپی لی جا رہی ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر غیر معمولی حاضری ہونے لگی ہے۔ روسی ریاستوں میں مسلم نوجوان بھی تصوف اور اسلامی روحانیت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ ایسے قرائن دکھائی پڑتے ہیں کہ ایک بار پھر خانقاہوں کا پاکیزہ نظام جاری ہوگا اور ہمارے اکابر کے مزارات اور خانقاہیں صالحین اور مبلغین کی نرسریاں بن جائیں گی۔

مزارات اولیاء پر ادا کی جانے والی رسومات: جن مزارات پر خلقت خداوند کریم کا رجوع زیادہ ہے وہاں پر ہر روز مخصوص رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ اعراس کے موقع پر ذرا مختلف رسومات اضافہ کے ساتھ ہوتی ہیں۔ دربار کے کھولے جانے اور بعد نماز عشاء بند کئے جانے کی رسومات قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہیں جو کافی دلچسپ ہیں۔

مراسم درگاہ غریب نواز: ہر روز بغیر نامہ درگاہ شریف کے بیگمی والان کا جو دروازہ مشرقی ہے وہاں فجر کی اذان کے فوراً بعد دروازہ کا قفل کھولا جاتا ہے۔ دروازوں کو کھولتے ہوئے بلند آواز سے یہ صلوة پڑھی جاتی ہے۔

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله
الصلوة والسلام عليك يا نبی الله
الصلوة والسلام عليك يا خير خلق الله
الصلوة والسلام عليك يا حبيب الله

یہ عمل خادم زادے سرانجام دیتے ہیں۔

صلوة پڑھی جانے کے بعد گنبد کے اندر داخل ہوتے ہی بیگمی والان کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جاتا ہے اور دوسری رسم شروع ہو جاتی ہے جسے ”خدمت“ کہتے ہیں۔

رسم خدمت: قبر شریف کے ارد گرد مور پتنگ سے بنی ہوئی جاروب سے صفائی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد مرقد کے اوپر پڑی پھولوں کی چادر کو اتار دیا جاتا ہے۔ اور چنور سے مرقد کی جھاڑ پونچھ کی جاتی ہے۔ پھر قبر پر پڑے پارچہ غلاف کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اور ایک بار پھر چنور سے تخت مزار کی صفائی کی جاتی ہے باسی پھول اور پتیوں کو صفائی کے بعد اکٹھا کر کے ایک ٹوکری میں رکھ کر حضرت خواجہ صاحب کی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال کے مزار پر

بھجوا دیتے ہیں۔ اور خواجہ صاحب کے مرقد پر تازہ پھولوں کی چادر چڑھا دی جاتی ہے۔ اندرون مزار ہر طرف مور پنکھ سے صفائی کرنے کے بعد گنبد مزار کے دونوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ منظر زائین اندر آسکیں۔

صندل مالی کی رسم: یہ رسم ہر روز ادا کی جاتی ہے۔ اس کا وقت 'نماز ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے جمعہ کے روز نماز سے ذرا پہلے یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس رسم میں بھی پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے قبل لوح قبر شریف پر صندل پسا ہوا اور عطر چڑھایا جاتا ہے کبھی کبھی لحد کا غلاف بھی صندل مالی کی رسم ادا کرتے وقت تبدیل کیا جاتا ہے۔

ڈنکا بجانا: یہ رسم مغرب کی نماز سے کچھ ہی دیر قبل ادا کی جاتی ہے۔ درگاہ خواجہ صاحب میں چھوٹی جھانگیری دیگ کے قریب حجرہ روشنی واقع ہے جہاں سے خادم زادوں کے خاندان میں سے تین افراد موم بتیاں لے کر خراماں خراماں صحن چراغ کی جانب چلتے ہیں اس وقت درگاہ شریف کا نقارچی نقارے پر چوٹ لگاتا ہے۔

روشنی کرنا: ڈنکا بجاتے ہی تینوں خادم زادگان مسجد محمودی کے صحن سے گزرتے ہوئے بیگمی دلاان کے دروازے کی سائیڈ سے گنبد درگاہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہاں پر چار خادم زادے ایک صف میں کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ گنبد کے چاروں کونوں پر چاندی سے بنی ہوئی چار قدیلیں رکھی ہوئی ہیں۔ موم بتیاں لانے والے تینوں خادم میں سے ایک خادم۔ ان چاروں قدیلیوں میں موم بتیاں رکھ کر روشن کرتا ہے۔ روشن قدیلیوں کو چاروں خادم اپنے اپنے سر پہ اٹھا لیتے ہیں مزار کے اندر قرآن شریف والی محراب کی جنوبی سائیڈ پر پہلے نمبر پر کھڑا ہوا خادم ذیل میں دی گئی فارسی منقبت کے اشعار پڑھتا جاتا اور حاضرین ہر چوتھے مصرعہ پر بلند آواز سے آمین پکارتے ہیں۔

خواجہ	خواجگان	معین	الدین
اشرف	اولیائے	روئے	زمین
آفتاب	سپر	کون	مکان
پادشاہ	سریر	ملک	یقین
در	جمل	کمل	خن
این	مبین	بود	حصین

مطلع	در	صفات	او	مکتم
در	عبارت	بود	چو	شمین
اے	دورت	قبلہ	گاہ	یقین
برورت	مہر	و	ماہ	جبین
روئے	بر	درگت	ہمیں	سانید
صد	ہزاراں	ملک	چوں	چین
خادمان	دورت	ہمہ		رضوان
در	صفا	روضہ	ات	چو
ذره	خاک	او	عبیر	سرشت
قطرہ	آب	او	چوہاء	معین
الہی	تاہود	خورشید	و	ماہی
چراغ	چشتیاں	را		روشنائی

روشنی کے بعد حاضرین مختصر دعا مانگتے ہیں اور یہ رسم ختم ہو جاتی ہے۔

گھڑیاں بجانے کی رسم: درگاہ شریف کی مسجد میں عشاء کی اذان ہوتے ہی نثار خانے سے خلوم دو ضرب گھڑیاں پر لگاتا ہے نماز عشاء کے فرض پڑھنے سے لمحہ دو لمحے قبل تین مرتبہ گھڑیاں پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ جب نماز عشاء ہو چکتی ہے، تو چار ضربیں گھڑیاں پر لگتی ہیں تو گنبد خواجہ صاحب کے بیرونی صحن ہائے میں مشرقی اور جنوبی اطراف سے قوالیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ کوئی آدھ گھنٹہ قوالی ہو چکتی ہے تو گھڑیاں پانچ بجاتا ہے اور ایک خلوم بیگی والان کی چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتا ہے کہ ”پانچ بج گئے ہیں صاحب“ اس کے فوراً بعد گنبد شریف میں تحلیہ ہو جاتا ہے اور مشرقی اور جنوبی دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ چاندی والے کھڑے پر جو موم بتیاں جل رہی ہوتی ہیں وہ گل کر دی جاتی ہیں۔ صرف چاندی والی چار قندیلوں کی موم بتیاں (کہ مزار مبارک کے اندر رکھی جاتی ہیں) ساری رات روشن رہتی ہیں۔ اگر بتی دان گنبد شریف سے باہر لیجایا جاتا ہے اور اس میں جمع شدہ راکھ باہر رکھے عود دان میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اگر بتی دان صاف کیا جاتا ہے اور پھر مزار شریف کے اندر قرآن شریف والی محراب کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ تین خلوم زادے مزار کے اندر جا روپ کشی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور صفائی کے بعد جمع شدہ پھول بتیاں اور گرد باہر لا کر بیگی والان کے مشرقی دروازہ سے باہر نکل آتے ہیں۔ اس خدمت کو اہل درگاہ

”فراش ہو رہا ہے“ کہتے ہیں فراش ہو چکنے کے بعد ایک مقررہ خلوم دوڑتا ہوا نقارہ خانہ کی طرف جاتا ہے اور آواز لگاتا ہے ”گھڑیالی چھ بجا“ گھڑیاں چھ بجاتا ہے تو سب لوگ بمعہ قوالوں کے خاموش ہو جاتے ہیں اور کھڑے ہو کر گنبد شریف کی طرف رخ کئے سر جھکائے ”کڑکا“ سنتے ہیں۔

کڑکا ہو چکتا ہے تو پہلے مشرقی سائیڈ والا دروازہ اور پھر دوسرے دونوں دروازے مقفل کئے جاتے ہیں۔ ان تالوں کی کنجیاں ہر روز کے باریداروں کی تحویل میں رہتی ہیں۔ دروازوں کو قفل لگانے کی رسم کو ”دروازے معمول“ کہتے ہیں۔

کڑکا: ایک طرح کی منقبت ہے جسے پشت ہاپشت سے اجمیر شریف کے قوال گاتے چلے آ رہے ہیں۔ اشعار بے ترتیب اور مخلوط بولیوں میں ہیں۔ ان میں سے چند ”تبرکات“ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ کڑکا کو راغنی کدرا میں تل جھپ تل میں گاتے ہیں۔

سنوارا	بدہ	الحق	معین	صحیح	تو	ہے
اجارا	میں	جگ	چراغ	چشتی		
سنوارا	بدہ	الحق	معین	صحیح	تو	ہے
کئے	برن	اون	چتر	چتر		
باجا	پال	اے	جوگی	ہرا	جتن	بلون
کیو	حکم	پیر	ہی	جب	چلو	اڑ
اتارا	سن	کو	سنبھل	کو	سر	جب
میو	دین	دنیا	تھمب	تو		
دوارا	ہر	خدا	رحم	نوراہدی	ہندالولی	
اجمیر	لین	گھیر	راجہ	مہنو		
کفارا	توڑا	اسلام	کیو	جاری		
سنوارا	بدہ	الحق	معین	صحیح	تو	ہے
کیو	اسلام	توڑے	جن	کفر		
باجا	دربار	شان	نے	گرو	جنے	
پچھم	پورب	دکن	اتر			
آواجہ	کے	سنی	کی	پیروں		
خواجہ	الدین	معین	تھمب	کو	دین	

بجین	من	گیان	معین	الدین	خواجہ
دین	کو	تھمب	معین	الدین	خواجہ
چتر	دولہا	بنے	خواجہ	حسن	وان
ایک	ہی	معجزہ	واند		بتھارا
خواجہ	دین	کو	تھمب	معین	الدین
تم	بڑے	سلطان	حضرت		چشتی
بڑے	تحت	اور	ملک	تھی	کو
دل	کا	دور	دور	کرو	خواجہ
دین	کو	تھمب	معین	الدین	خواجہ

ہر سال حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا عرس بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے اس کی تقاریب ایک نرالی شان کی حامل اور منفرد حیثیت رکھتی ہیں عرس خواجہ اپنی مثل آپ ہے ان دنوں احاطہ درگاہ میں جاییے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی عالی مرتبت و ذی وقار خصلت کریمی والے سلطان کا دربار عام لگا ہے اور لوگ ہیں۔ کہ سلام عرض کرنے اور آداب بجانے کے لئے حاضر ہو رہے ہیں۔ ہدیہ فاتحہ پیش کرتے چلے جا رہے ہیں اور حضور سلطان میں نذر منظور ہوئی اور ارادت مند کا دامن گوہر مراد سے بھرا گیا۔

درگاہ و در تو قبلہ گاہ ہمہ کس
لطف بہ کرشمہ دستگیر ہمہ کس

اگرچہ عرس کی خاص تقریبات اور مراسم ماہ رجب کی چاند رات سے چھٹی تاریخ ماہ رجب کی دوپہر تک ادا ہوتی ہیں لیکن ہر سمت سے اجیر شریف میں زائرین کی آمد کا سلسلہ 20۔ جمادی الثانی سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور کافی لوگ ماہ رجب کی 20۔ تاریخ تک یہاں مقیم رہتے ہیں بستی اجیر کامل ایک ماہ تک دلہن کی مانند آراستہ و پیراستہ نکلت و نور میں نہائی ایک دلکش انداز سے جلوہ نکلن دکھائی پڑتی ہے یہ نظارہ دیکھنے کی چیز ہے جس کا الفاظ میں بیان کیا جانا ممکن نہیں۔

”ویدی دیار اجیر آل شہر غلد پیکر
آل سدرہ مقدس و آل عدن حور پرور
آل بارگاہ خواجہ و آل تحت گاہ چشتی
آل روضہ معبر و آل زندہ پاک کشور“

آغاز عرس: رجب کا چاند دیکھتے ہی درگاہ شریف کے نقار خانہ پر شاویا لے بجائے جاتے ہیں اور درگاہ شریف کے جنوب میں واقع پہاڑی پر گولے چھوڑ کر عرس کے آغاز کا اعلان کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں توپیں سرکی جایا کرتی تھیں۔ خواجہ صاحب کے مزار کی مغربی طرف جنتی دروازہ (جس پر چاندی کے پترے چڑھے ہوئے ہیں) کھول دیا جاتا ہے۔ چاندی کے کواڑوں والے اس دروازے کو اہل درگاہ جھجری کہتے ہیں اسے 25۔ تاریخ ماہ جمادی الثانی نماز فجر کی ادائیگی کے بعد بند کر دیا جاتا ہے اور پھر رجب کی چاند رات کو کھولتے ہیں پھر یہ جھجری یکم رجب سے چھ رجب تک ہر روز پہلے غسل کے بعد سے دوسرے غسل تک کے وقفے کے لئے کھولتے ہیں رات کے وقت متقل کر دیتے ہیں اور پھر اگلے روز صبح کی یومیہ معمول کی ”رسم خدمت“ کے بعد جھجری زائرین کے لئے کھولی جاتی ہے۔

مراستم غسل شریف: خواجہ صاحب کے عرس کی تقاریب چھ دن جاری رہتی ہیں۔ ان چھ دنوں میں یومیہ معمول کے مطابق دن کے تیسرے پہر رسم صندوق ملی ادا نہیں کی جاتی بلکہ نماز عشاء کے بعد پہلے رسم خدمت اور پھر صندوق ملی کی رسم ادا ہوتی ہے۔ مزار شریف کے اندر روزانہ دو مرتبہ رسم غسل ہوتی ہے۔ مزار شریف کے غسل کے لئے درگاہ کے تلاب سے پانی لے کر اس میں کیوڑے اور گلاب کے عرق ملا کر غسل کے برتنوں میں رکھ کر اندرون مزار لے جاتے ہیں۔ قبر شریف کے سرہانے سے غسل شروع کرتے ہیں ایک خلام پانی ڈالتا اور دوسرا غسل دیتا جاتا ہے۔ اس دوران حاضر باش خلام زادے دونوں کٹھروں کے درمیان مودب کھڑے رہتے ہیں غسل کا پانی مزار کے گڑھے میں جمع ہو جاتا ہے جسے دربان گلاکتے ہیں۔ غسل والے پانی کو بوتلوں اور شیشیوں میں جمع کر لیتے ہیں اور اسے عقیدت مندوں میں بطور ہترک تقسیم کیا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب کے روضہ کے اندر عرس کے 6 دنوں میں دوبارہ رسم غسل ادا کی جاتی ہے۔ دوسرا غسل رات کے تقریباً دو بجے دیا جاتا ہے۔ جس میں چودہ افراد شریک ہوتے ہیں۔ اور ان مخصوص آدمیوں کے علاوہ کوئی اور شخص غسل میں شریک نہیں ہو سکتا۔

درگاہ اجیر کے خلام زادوں کے سات خاندان ہیں۔ مذکورہ خاندانوں کا ایک ایک نمائندہ ہفتے کے سات دنوں میں ایک دن کا مشارا الیہ قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرے غسل کے وقت ان ساتوں خاندانوں کے مجاز اور مقرر کردہ نمائندے اور ایک یومیہ چالی بردار درگاہ شریف میں ہوتا ہے اس طرح یہ کل آٹھ افراد ہوتے۔ ان کے علاوہ دیوان صاحب درگاہ

شریف، ناظم درگاہ مقرر کردہ از وقف بورڈ۔ ایک پولیس افسر مقامی ہوتے ہیں ان تین اشخاص کے ساتھ اجازت یافتہ تین اور افراد ہوتے ہیں۔ اس طرح گویا یہ چودہ بندے دوسرے غسل کی رسم ادا کرتے ہیں۔ غسل کی رسم کا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

رجب کی چاند رات سے چھ تاریخ ماہ رجب تک صبح سے شام تک بلکہ رات گئے تک مختلف قوالوں کی پارٹیاں گنبد شریف کے جنوبی اور مشرقی حصوں کے صحن ہائے میں قوالیاں پیش کرتی ہیں لیکن قوالی کی خاص محافل محفل خانہ میں رات کو گیارہ بجے سے تقریباً دو بجے صبح تک ہوتی ہیں۔ ان مجالس میں دیوان صاحب اور ناظم درگاہ شریک ہوتے اور نذر پیش کرتے ہیں۔ قوالی میں رنگ بھی پیش کیا جاتا ہے جس کے بول قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش ہیں۔

رنگ: آج رنگ ہے اے ماں رنگ ہے ری
 مورے بابا کے گھر رنگ ہے ری
 مورے انجام کے گھر رنگ ہے ری
 میں پیر پائیو فرید الدین اولیا
 فرید الدین اولیا شاہ قطب الدین اولیا
 معین الدین اولیا محی الدین اولیا
 فرید الدین اولیا علاؤ الدین اولیا
 علاؤ الدین اولیا نظام الدین اولیا
 جب دیکھو مورے سنگ ہے ری
 اے ماں رنگ ہے ری
 مورے بابا کے گھر رنگ ہے ری
 جگ اجیارو میں تو ایسا رنگ اور نہیں دیکھتی
 دیس بدیس میں ڈھونڈ پھری ہوں
 تورا رنگ اور نہیں پائیورے نظام الدین اولیا
 تورا رنگ من بھائیورے علاؤ الدین اولیا
 ایسی رنگ دو رنگ نہیں چھوٹے
 دھوبیا دھوبے چاہے ساری عمر
 رنگ دو نظام الدین موری چنیا

آج رنگ ہے اے ماں رنگ ہے ری
میرے بلا کے گھر رنگ ہے ری

چھٹی رجب: ماہ رجب کی چھٹی تاریخ کو خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی اجمیری کے عرس مبارک کی آخری مجلس منعقد ہوتی ہے، یہ تقریب دن کے گیارہ بجے شروع اور ظہر کی اذان سے قبل اختتام پذیر ہوتی ہے۔ فاتحہ کا ایصال ثواب کیا جاتا اور ختم شریف پڑھا جاتا ہے۔ چھٹی رجب کو قل کا دن بھی بولتے ہیں۔ ختم شریف پڑھا جانے کے بعد درگاہ کے نقارخانہ پر شلویانے بجائے جلتے ہیں اور قریب ہی پہاڑی سے گولے چھوڑے جاتے ہیں۔ اس طرح عرس خواجہ خواجگان تمت بالخیر ہوتا ہے۔

قوالی کی مجلس ختم ہوتے اور فاتحہ سے قبل استیائی گائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ استیائی ہندی زبان میں منقبت کے مترادف ہے، اسے راگنی سا رنگ میں جھپ تل سے گاتے ہیں اور جھپ تل کے دس ماترے ہوتے ہیں۔

بول: دین و دنیا دو آؤ تیرے تو بل جائیں
ایسو چو پیر معین الدین خواجہ تیرے تو بل جائیں
اجپاتی، گجپاتی، نہپاتی، بوا پاتی
چاروں ہی چوک کو ایک ہی راجہ
تیرے تو بل جائیں معین الدین خواجہ
چار دواری گنبد پر بل بل جاؤں
خوب ہی رچے ایوان کے جھاجا
بنت بہلول چشتی، خواجہ حسن دان
دونوں جہاں میں راگہ لو لاجا
بل بل جاؤں، تورے بل بل جاؤں

پاکستانی جماعت: سلسلہ عالیہ چشتیہ کے متعلقین کی تعداد پاکستان میں بلا مبالغہ لاکھوں پہنچتی ہے۔ اس پاکیزہ سلسلہ کے ہر مرید کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے آستانہ عالیہ پر ایک بار تو ضرور حاضری دے دے، عرس میں شرکت کی برکت کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ چنانچہ ہر سال عرس مبارک کے موقع پر زائرین کی ایک جماعت حکومت پاکستان کی منظوری سے اجمیر شریف جاتی ہے اور وہاں عرس کی جملہ تقریبات میں

شمولیت کرتی ہے

منہمدا حاضری برائے سلام و فاتحہ، پاکستانی جماعت کے افراد قوالی کی مجالس اور ختم شریف کی تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان کی عقیدت کیشی کا بھارت کے مسلمانوں کے دلوں پر بڑا اثر دیکھنے میں آتا ہے اور وہاں جا کر ہی پاکستان کے قیام کے باعث جو ہمیں ”شکوہ ملک و دین“ نصیب ہوا ہے۔ کی صحیح قدر سمجھ میں آتی ہے۔

جلوس چادر: عرس میں شرکت کرنے والی پاکستانی جماعت کے اراکین کے باہمی چندہ سے ایک نہایت ہی خوبصورت قیمتی اور نظرنواز چادر جس پر مقیش اور تلہ سے تسمیہ کلمہ شریف اور اشعار منقبت کڑھے ہوتے ہیں، حضرت خواجہ صاحب کے مرقد منور پر چڑھائی جاتی ہے۔ اس چادر کے کونے زائرین باری باری تھامے رہتے ہیں۔ اجمیر شریف کے بڑے بازار سے چادر کا جلوس نکلتا ہے اور درگاہ شریف پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ پاکستانی زائرین کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں بھارتی مسلمان اور بنگلہ دیش بھائی بھی ہمرکاب ہو لیتے ہیں۔ چادر شریف کا جلوس خراماں خراماں سماع کے ساتھ چلتا رہتا ہے اور درگاہ شریف کے نظام گیٹ پر جا کر سماع ختم ہو جاتا ہے۔ اب زائرین درگاہ کے اندر داخل ہو کر چادر کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ کلمہ اول کا ورد کرتے ہوئے گنبد شریف جا پہنچتے ہیں۔ جہاں درگاہ شریف کے سجادہ نشین اور ناظم درگاہ اور خدام، پاکستانی زائرین کا استقبال کرتے ہیں۔ چادر چڑھانے کے بعد گنبد شریف کے اندر دعا مانگی جاتی ہے۔ اور فاتحہ عرض کرنے کے بعد پاکستانی زائرین مسجد شاہجہانی میں ادائیگی نماز کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔

اگلے روز درگاہ شریف کے احاطہ میں پاکستانی جماعت ختم قلاویہ سرانجام دیتی ہے اور حاضرین میں تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔

روضہ خواجہ اور دیگر تاریخی عمارات

سرتاج اولیاء، سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی کے آستانہ عالیہ پر بڑے جاہ و جلال والے بلوشاہوں ذی وقار نوابوں اور ذی شان مہاراجوں اور عالی شان انگریز حاکموں نے اکثر حاضریاں دی ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

سلطان شہاب الدین غوری 578ھ سلطان شمس الدین التمش 612ھ سلطان محمود غلی 859ھ (اس کی تعمیر کردہ صندلی مسجد اب بھی موجود ہے) شہزادہ بہادر شاہ گجرات۔ 931ھ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر 676ھ میں پورے لاؤ لشکر کے ساتھ پاپیادہ آگرہ سے اجمیر شریف پہنچا تمام راستے میں لشکر شاہی یا معین کے نعرے بلند کرتا رہا۔ اکبر نے بڑی دیگ درگاہ شریف میں نذر کی اور درگاہ کا شرقی دروازہ نصب کرایا۔ دوسری بار کی حاضری کی یادگار اکبری مسجد (جو کہ غیر آبلو ہے) تعمیر ہوئی۔ شہنشاہ محمد نور الدین جہانگیر 1022ھ میں اپنی تخت نشینی کے بعد اجمیر شریف زیارت کے لئے آیا۔ حدود شہر میں پاپیادہ ہو کر درگاہ تک پہنچا اور سارے راستے لوگوں میں زر و نقد لٹاتا رہا دوران قیام جہانگیر نے نو مرتبہ خواجہ صاحب کی بارگاہ میں حاضری دی۔ جہانگیر نے چھوٹی دیگ اور قبر شریف کے گرد اگر دسوںے کا ایک کٹرو نصب کرایا۔ اس کے علاوہ درگاہ کے انتظام و انصرام اور لشکر کے لئے شہنشاہ جہانگیر نے کئی دہات کی آمدنی کا فرمان جاری کیا۔

1053ھ میں شہاب الدین محمد شاہ جہان بلوشاہ نے اپنے درود اجمیر شریف کی یادگار جامع مسجد۔ بیرونی حصہ روضہ شریف۔ جنتی دروازہ اور دیگر کئی ایک عمارات تعمیر کرائیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بھی خواجہ خواجگان کا عقیدت کیش تھا، مشہور ہے کہ عالمگیر سلام عرض کرنے کے بعد مراقب ہوا۔ اس کی تمنا تھی کہ دنیا و دین کی جملہ تمام سعادتیں اس کے حصہ میں آئیں۔ خواجہ ہندالوی کی روحانیت ظاہر ہوئی اور عالمگیر کی سماعت کے لئے یہ شعر جو اباً فرمایا

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دون

اس خیال است و محل است و جنوں

ایک روزہ سلطان نظام سہ کا مقبرہ عالمگیر کے عہد تک بہت خوشنما بنا ہوا تھا۔ احاطہ درگاہ میں داخل ہو کر غلط فہمی سے عالمگیر نے پہلے یہاں فاتحہ پڑھی اسے وہ غریب نواز کا

روضہ سمجھا تھا۔ بعد میں اس نے نظام سد کے مدفن پر تعمیر شدہ قبہ مسمار کراویا تھا۔ کہ کسی اور کو آئندہ غلط فہمی نہ ہو۔ نظام سد کی قبر کا سنگ مرمر سے بنا ہوا تعویذ اب تک موجود ہے۔

عالمگیر کے بعد مغلیہ خاندان کے کسی بڑے بادشاہ کی حاضری کا تذکرہ تاریخی کتب میں نہیں ملتا۔ والئی افغانستان امیر حبیب اللہ خان نے 1907ء میں آستانہ خواجہ پر حاضری دی تھی۔ آخری شہریار دکن میر عثمان علی خاں نے 1912ء میں دربار خواجہ میں حاضر ہو کر اہل شہر کے لئے سینکڑوں دیکھیں عمدہ کھانوں کی پکوا کر تقسیم کرائیں۔ اس کے علاوہ غریب و مساکین میں بہت سا روپیہ تقسیم کیا گیا۔ اپنے ورود اجمیر کی یادگار عثمانی دوازہ (عرف نظام گیٹ) تعمیر کرایا۔ اور ایک محفل خانہ بھی بنوایا۔ دینی تعلیم کے فروغ کے لئے مدرسہ عثمانیہ کے تمام مصارف و اخراجات 1948ء تک نظام دکن کی سرکار ادا کرتی تھی

برٹش انڈیا کے وائسرائے لارڈ کزن نے 1902ء میں آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر عقیدت کی گردن خم کی۔ اور اپنا تاثر ان الفاظ میں دیا ”خواجہ کی قبر ملک بھر میں شہنشاہی کر رہی ہے۔“

1911ء میں برطانوی بادشاہ جارج پنجم کی ملکہ میری حاضر دربار ہوئی اور موصوف نے پانچ صد روپے کی نذر گزاری

ملائیشیا کے پہلے وزیر اعظم بنگو عبدالرحمن نے آستانہ خواجہ پر حاضری دی اور 1975ء میں ملائیشیا وفاق کے بادشاہ نے بھی حاضری دی۔

آزاد بھارت کے صدر صاحبان میں شری راج گوپال اچاری۔ ڈاکٹر راجندر پرشلو، ڈاکٹر ذاکر حسین خان۔ شری فخرالدین علی احمد حاضر دربار ہوئے اور بھارت کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو اور ان کی بیٹی وزیر اعظم شریستی اندارا گاندھی نے بھی عقیدت مندانہ حاضری یہاں پیش کی تھی۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی حاضر دربار ہو کر نذرانہ عقیدت پیش کیا تھا۔

غیر منقسم ہندوستان میں راجپوتانہ (راجستان) کی ہندو راجپوت ریاستوں کے مہاراجے درگاہ خواجہ سے خصوصی عقیدت کا اظہار یوں بھی کیا کرتے تھے کہ دیوان صاحب آستانہ عالیہ کے لئے اپنے درباروں میں داہنی جانب صف اول میں نشست رکھتے تھے اور عرس کے موقع پر نذریں دیا کرتے تھے۔ برٹش انڈیا کی ریاستوں میں مامور بہت سے غیر مسلم وزراء اور عمائدین بھی اجمیر شریف کی حاضری کو سعادت سمجھتے تھے۔ ان کے ناموں کی فہرست بہت طویل ہے اس لئے ہم درگزر کرتے ہیں۔ البتہ یہاں مہاراجہ سرکشن پرشلو وزیر اعظم سلطنت

عثمانیہ (حیدرآباد دکن) کا برسبیل تذکرہ کئے دیتے ہیں۔ موصوف فارسی، اردو کے بڑے بلند پایہ شاعر اور سخن فہم تھے۔ علوم مروجہ کے فاضل اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ شلو تخلص کرتے تھے۔ حاضر بارگاہ غریب نواز ہوئے تو مور چھل جھلنے کی خدمت ملی اور انہوں نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا۔

مور	چھل	جھلنے	کی	خدمت	مل	گئی
شلو	کو	دنیا	کی	عزت	مل	گئی
بارگاہ	خواجہ	اجمیر	سے			
لو	کلید	منج	قسمت	مل	گئی	

شلو کی ایک خوبصورت منقبت کے چند اشعار بھی یہاں نقل کرتے چلیں۔

نے	خزاں	نے	بہار	می	خواہم
من	ترا	بار	بار	می	خواہم
رب	ارنی	چرا	نہ	گویم	من
س	رویت	آشکار	می	خواہم	
	بندہ	ام	گرچہ	مجبورم	
از	خدا	اختیار	می	خواہم	
لطف	بنما	تجی	احمد	پاک	
آنچہ	پروردگار	می	خواہم		
شلو	من	از	وسیلہ	خواجہ	
رحمت	کردگار	می	خواہم		

روضہ خواجہ معین الدین عطلے رسول کا روضہ برصغیر کی خوبصورت عمارات میں سے ایک ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ زائر یہاں آکر محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی بڑے عظیم المرتبت اور ذی شان و عالی وقار سلطان کی بارگاہ پر منظر اذن باریابی کھڑا ہے۔ یقین مانئے یہ آنکھ سے دیکھنے اور دل سے محسوس کرنے کی چیز ہے الفاظ یہ تاثر ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

عشق باشد این مقام
 ہر کہ ناقص آمد این جا شد تمام
 حضرت خواجہ معین الدین کا وصل 6 رجب 633ھ کو آخر شب ہوا، آپ اپنے حجرہ

میں ہی دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر ایک مدت تک کچی رہی، کئی عرصہ بعد پختہ احاطہ اور چار دیواری گرداگرد بنائی گئی۔ اور بعد میں وقتاً فوقتاً اس میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا۔ مزار پر گنبد 859ھ میں تعمیر کیا گیا۔ اندرونی نقاشی کا کام سلطان محمود ابن سلطان ناصر الدین کے عہد میں شیخ خواجہ حسین ناگوری کی نگرانی میں تکمیل پذیر ہوا۔ چنانچہ اس کی بابت روضہ خواجہ کی مغربی جانب والی جلی پر یہ شعر کندہ ہے۔

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ حسن
گفت ہاتف گو معظم قہ عرش بریں

859ھ

خواجہ ہندالولی کے روضہ کا دروازہ ماٹڈو کے سلطان نے بنوایا اور مزار کے گنبد مر مر میں پر بڑا سنہری کلس اور اس کے گوشوں میں چھوٹی سنہری کلیاں نواب رام پور کے بھائی نے نذر کی تھیں۔ ایک مسلمان تاجر نے سو امن خالص سونے کا کلس اپنی منت پوری ہونے پر شکرانہ کے طور پر چڑھایا تھا۔ مزار شریف کے گنبد کے اندرونی حصہ میں محفل کی ذریں چھت گیری ہے۔ کئی ایک جگہوں پر سونے کے فانوس زنجیروں سے آویزاں کئے گئے ہیں۔ چھپرکٹ کے اندر مرقد منور سنگ مرمر سے بنا ہے اور سیپ اور خوش رنگ پتھروں سے نہایت عمدہ پچی کاری کی گئی ہے۔ خواجہ کی قبر پر کھواب و زر، نعت اور مخمیلیں چادریں پڑی رہتی ہیں۔ اور ان پر ڈھیروں پھول تختے کی صورت پڑے رہتے ہیں۔ قبر کے چاروں طرف چاندی کا کشر لگا ہوا ہے جو شہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بلاشاہ نے پیش کیا تھا۔ مزار پر انوار کے اندر قبلہ رخ قد آدم سے بلند کلخ پر ایک چاندی کا صندوقچہ پڑا ہے جس میں قلمی مطلقاً کلام پاک رکھا ہے، زائرین بڑے احترام سے اسے بوسہ دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کلام مجید کا یہ نسخہ بہت قدیم ہے اور اسے شہزاد دکن میر عثمان علی خان مرحوم نے پیش کیا تھا۔

گنبد کے اندرونی حصہ میں اب در سے جو اشعار لکھے ہوئے ہیں اب بڑی مشکل سے پڑھے جاتے ہیں۔ شہزادی جہاں آرا بیگم نے اپنی تعریف معین الارواح میں یہ اشعار نقل کئے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ اشعار حضرت خواجہ سید حسین اجیری دیوان درگاہ شریف کا نتیجہ فکر ہیں۔ (اشعار بمعہ ترجمہ)

خواجہ اشرف
خواجگان اولیائے
معین روئے
الدین^۲ زمیں

خواجگان کے خواجہ خواجہ معین الدین ہیں۔ تمام روئے زمین کے اولیا اللہ میں سب زیادہ شرافت والے ہیں

آفتاب پہر کون و مکان
پوشاہ سرے ملک یقین

آپ کون و مکان کے آسمان کے آفتاب ہیں۔ آپ یقین کے ملک کے تخت کے شہشاہ ہیں

درجہل و کمل اوچے سخن
اس مبین بود مخص حصین

آپ کے جہل اور کمل کا پورا وصف بیان کرنے کی کس میں لیاقت ہے۔ آپ کے جہل اور کمل کی دلیل مضبوط قلعہ کی طرح ہے۔

مطلع در صفات او گفتم
در عبادت بود چو در شمشین

آپ کی تعریف میں میں نے ایک مطلع عرض کیا۔ عبارت کے لحاظ سے جو بیش قیمت موتی کی مثل رکھتا ہے۔

اے درت قبلہ گاہ اہل یقین
یر درت مر و ماہ سورہ جبین

اے ذات کہ آپ کا آستانہ اہل یقین کی قبلہ گاہ ہے۔ آپ کے آستانہ پر چاند اور سورج پیشانی رگڑتے ہیں۔

روئے برور گمت ہمیں سائید
صدر ہزاراں ملک چو خسرو چین

آپ کی بارگاہ کی چوکھٹ پر اپنا چہرہ ملتے ہیں۔ خسرو چین جیسے لاکھوں شہنشاہ۔

خلوان درت ہمہ رضواں
در صفا روضہ ات چو غلد بریں

آپ کے در کے خلوم تمام کے تمام رضواں ہیں۔ اور صفا میں آپ کا روضہ مثل غلد بریں کے ہے۔

ذرة خاک او میر سرشت
قطرة آب او چو ماء معین

آپ کے روضہ کی مٹی کا ہر ذرہ عنبر میں بسا ہوا ہے۔ اور وہاں کے پانی کا ہر قطرہ خاصیت میں ماء معین کی طرح ہے۔

الہی تا بود خورشید و ماہی

چراغ چشتیاں را روشنائی

اے اللہ تعالیٰ جب تک چاند اور سورج میں روشنی باقی ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے چراغ کو روشن رکھ!

عمارات درگاہ خواجہ: اجمیر شریف کا شہر پہاڑیوں کے درمیان آباد ہے۔ شہر کے مغربی اور جنوبی پہلو سے ملا ہوا تار اگڑھ کا کوہستانی سلسلہ ہے اور اسی کے دامن میں درگاہ معلیٰ ہے جو ایک وسیع چار دیواری کے بیچ واقع ہے۔ درگاہ کے جنوب میں جھارہ مشرق میں گلی لنگر خانہ اور محلہ خدامان درگاہ ہے جبکہ شمال میں درگاہ بازار اور مغرب میں وہ راستہ ہے جو ترپولیہ گیٹ سے ہو کر اندر کوٹ اور تار اگڑھ کو جاتا ہے۔

درگاہ شریف میں داخل ہونے کے لئے ہر چہار طرف دروازے ہیں اور ان سب میں عالی شان دروازہ نظام گیٹ ہے، جو درگاہ بازار کی جانب ہے۔ اسے عثمانی دروازہ بھی کہتے ہیں۔ میر عثمان علی خاں شہریار دکن نے اسے تعمیر کرایا تھا جو تین برس کی مدت میں 1915ء میں مکمل ہوا۔ دروازہ کی بلندی ستر (70) فٹ اور چوڑائی مع دو رویہ دالانوں کے 24 فٹ ہے۔ محراب کی چوڑائی سولہ فٹ ہے۔ دروازہ کے اوپر نقار خانہ ہے۔

کلمہ دروازہ: یہ عمارت 1639ء-1047ھ میں شہنشاہ شاہجہاں نے تعمیر کرائی تھی۔ دروازہ کے بلائی حصہ میں شہی وقتوں کا نقار خانہ ہوا کرتا تھا۔ اس دروازہ کی محراب کے اوپر کلمہ طیبہ جلی حروف میں لکھا ہوا ہے اس وجہ سے اسے کلمہ دروازہ کہتے ہیں۔ دروازے کے اندر اور باہر سنگ مرمر کا فرش ہے۔

اکبری مسجد: اکبر بادشاہ نے شہزادہ سلیم (بعدہ شہشاہ جہانگیر) کی پیدائش کے چھ ماہ بعد خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر حاضری دی اور بطور شکرانہ محتجون اور فقرا میں مل و زر تقسیم کیا۔ یہ مسجد 1570ء-977ھ میں بملہ شعبان المعظم تعمیر ہوئی۔ عمارت سنگ سرخ سے بنی ہے۔ مسجد و متعلقہ عمارات کا طول 140 فٹ اور عرض بھی تقریباً اسی قدر ہے۔ محراب مسجد 56 فٹ بلند ہے۔ اکبری مسجد میں شہزادہ کوئی نمازی نظر آتا ہے۔ عرس کے دنوں میں بھارتی زائرین بطور اقامت گاہ اسے استعمال کرتے ہیں۔

بلند دروازہ: مملکت ماہڈو کے سلطان محمود غلجی نے یہ دروازہ تعمیر کرایا تھا، جس کی تکمیل 1455ء-859ھ میں ہوئی۔ اس کی بلندی 85 فٹ اندر کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ درگاہ خواجہ کی جملہ عمارتوں سے یہ دروازہ زیادہ اونچا ہونے کے سبب بلند دروازہ کہلاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے عرس سے قبل 25 جمادی الثانی کو اسی دروازہ کے اوپر چشتی پھریرا لہرایا جاتا ہے۔

صحن چراغ: بلند دروازہ کے سامنے ایک ہشت پہلو چھتری ہے جس کے اندر پیتل کا بنا ایک چراغ دان ہے جو شہنشاہ اکبر کے دور کی یادگار ہے۔ اس چھتری اور ملحقہ صحن کو صحن چراغ کہتے ہیں۔

بڑی دیگ: شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر چتوڑ گڑھ فتح کرنے کے بعد پایادہ اجمیر شریف خواجہ صاحب کی درگاہ پر حاضر ہوا اور یہ دیگ چڑھائی۔ اس دیگ کا محیط ساڑھے بارہ گز ہے اور اس میں سوا سو من چاول پک سکتا ہے۔ یہ دیگ 1567ء-976ھ کو ماہ رمضان المبارک میں پیش کی گئی تھی۔

عرس شریف کے دنوں میں یہ دیگ اب بھی استعمال ہوتی ہے۔

چھوٹی دیگ: یہ دیگ جس میں 80 من چاول پک سکتا ہے شہنشاہ نور الدین محمد جمانگیر نے 1613ء-1013ھ میں پیش کی تھی۔

محفل خانہ: اس مربع نما عمارت کا طول نیز عرض 46 فٹ ہے۔ یہ عمارت صحن چراغ سے مغرب کی سائیڈ پر واقع ہے۔ محافل سماع اسی عمارت میں منعقد ہوتی ہیں۔ نواب بشیر الدولہ نے دربار خواجہ میں بیٹے کے لئے دعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی برس کی عمر میں فرزند عطا فرمایا۔ اس خوشی اور منت کی ادائیگی میں نواب موصوف نے یہ عمارت تعمیر کرائی جس کی تکمیل تین سال میں 1309ھ میں ہوئی۔

خانقاہ: آج کل اس عمارت میں یتیم خانہ ہے۔ محفل خانہ سے متصل جانب مغرب یہ عمارت واقع ہے اور اس میں داخل ہونے کے لئے محفل خانہ کے شمالی گوشہ میں ایک دروازہ ہے۔ ابتدائی تعمیر عہد اکبری میں 1550ء-977ھ میں ہوئی تھی۔

لنگر خانہ: اکبر بادشاہ نے یہ لنگر خانہ غریبوں میں پکا پکایا کھانا تقسیم کرنے کے لئے بنوایا تھا۔ عمارت ایک وسیع صحن اور والان پر مشتمل ہے جس کا ایک پھانک گلی لنگر خانہ میں کھلتا ہے۔ والان کے اندر لوہے کے دو بڑے بڑے کڑا ہے ہیں جن میں عرس کے دنوں میں صبح و

شام نمکین دلیا پکا کر غرباء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق اکبر بادشاہ نے فقیر بن کر یہاں لنگر لیا تھا۔

احاطہ چنبیلی: صحن چراغ سے آگے چلتے جائیے۔ حجروں کی قطاروں کے درمیان دو بڑے بڑے دروازے ہیں۔ جو دروازہ مشرقی جانب ہے اس سے آگے بڑھنے پر آستانہ علیہ کے احاطہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور خواجہ صاحب کے مزار کا گنبد بالکل سامنے دکھائی دیتا ہے۔ بائیں طرف سنگ مرمر سے بنی چھوٹی سی مسجد ”مسجد اولیاء“ ہے۔ دائیں ہاتھ مسجد صندل خانہ ہے جس کے شمالی کونے سے ملحق احاطہ چنبیلی ہے۔ اس احاطہ میں مقدس مزارات ہیں۔ حضرت رفیق الدین بایزید خورد اور ان کی والدہ اور بیوی کی قبور یہیں ہیں۔ چونکہ ان مزارات اور ان کی دیواروں پر چنبیلی کے پودے چھائے ہوئے ہیں اس لئے اس جگہ کو احاطہ چنبیلی کہتے ہیں۔ اولیاء مسجد اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے جہاں خواجہ معین الدین چشتی نماز پڑھا کرتے تھے۔

مسجد صندل خانہ: خواجہ صاحب کے عرس میں پیش کرنے کے لئے صندل کی پسائی گھسائی یکم رجب سے 9 رجب تک ہوتی ہے۔ اسی لئے یہ مسجد صندلی کے نام سے مشہور ہو گئی۔ خواجہ صاحب کے مرقد منور سے جو پھول اترتے ہیں ان کا ڈھیر بھی کچھ دیر کے لئے یہاں رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اسے پھول خانہ بھی بولتے ہیں۔

مانڈو کے سلطان محمود غلجی نے یہ عمارت بنوائی تھی جہاں تکیر بادشاہ نے اس عمارت میں چار در اضافہ کرائے اور عمارت کی آرائشی کی۔ شہنشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب نے بھی مسجد صندل خانہ کی مرمت کرائی تھی۔ اسی وجہ سے یہ مسجد مذکورہ تینوں بادشاہوں کے ناموں سے منسوب کی جاتی ہے۔

قلعہ تارا گڑھ: حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں جو دیوار کسی قلعہ کی بنائی گئی وہ قلعہ تارا گڑھ کی تھی، مہاراجہ برتھوی راج طرف رائے ہتمورا نے پرانی بنیاد پر اس کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ اس قلعہ کی سطح زمین سے اونچائی ”قرباً“ آٹھ سو فٹ تھی۔ قلعہ کی عمارت اور فصیلیں مرور ایام سے مٹ چکی ہیں صرف نام رہ گیا اور وہ بھی میراں سید حسین خٹک سوار کے مزار کا محل وقوع ہونے کے باعث ہے سلطان قطب الدین ایبک نے عاقہ جات کو فتح کر کے قلعہ تارا گڑھ میں سید میراں حسین کو قلعہ دار مقرر کیا۔ ان کی رہائش گاہ قلعہ میں ہی تھی۔ جونہی سلطان قطب الدین ایبک کی لاہور میں پولو کھیلتے ہوئے وفات کی خبر اجیر میں پہنچی تو ہندو راجپوت ٹھاکروں نے قلعہ تارا گڑھ پر شب

خون مارا اور بے خبر سوتے اہل قلعہ کا قتل عام شروع کیا۔ شور و غل من کر مسلمان بیدار ہوئے اور سنبھل کر مقابلہ میں آڑٹے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ طلوع آفتاب سے قبل دشمن فرار ہو گئے۔ اس معرکہ میں میراں حسین خٹک سوار بھی اہل قلعہ کے ساتھ شہید ہو گئے۔ خواجہ معین الدین چشتی یہ درد ناک خبر سن کر بہت ملول ہوئے اہل شہر اور اپنے مریدوں کی معیت میں جلے واردات پر گئے اور شہداء کی نماز جنازہ پڑھ کر انہیں سپرد خاک کیا۔

درگاہ حضرت سید حسین خٹک سوار: اس مزار پر سنہرا گنبد بڑا دلکش ہے۔ مزار کے سرہانے موتیوں کا سرا بندھا رہتا ہے۔

درگاہ کے محن میں شہداء کے مقابر ہیں۔ شمالی دروازہ سے متصل دو آہنی دنگیں گڑی ہیں۔ بلند دروازہ کے نیچے کئی ایک دالان ہیں اور ایک مسجد بھی موجود ہے۔

اس درگاہ شریف کے متعلق ابوالفضل نے اکبر نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ”قیام اجمیر کا دوسرا دن تھا کہ قلعہ دیکھنے گئے جو پہاڑی پر واقع ہے۔ اس متبرک مقام پر سید حسین خٹک سوار اور شہداء کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عوام میں مشہور ہے کہ سید موصوف سیدنا امام زین العابدین کی اولاد میں سے ہیں۔ زائر یہاں تبرک لیتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ سید حسین خٹک سوار سلطان شہاب الدین غوری کے ملازمان میں سے ہیں اور ہندوستان فتح کرنے کے وقت سن 93-1192-588ھ لشکر کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ سلطان نے انہیں اجمیر کی شقہ داری پر مقرر کر دیا اور یہیں یعنی اجمیر میں ان کا انتقال ہوا۔ عوام میں یہ ولی اللہ مشہور ہوئے اور ان کا مزار اہل عالم کا مطاف ہو گیا۔

عہد اکبر و جہانگیر میں اعتبار خاں طقب یہ ممتاز خاں اجمیر میں منصبدار تھا۔ اس نے 1022ھ میں مزار سید حسین کو پختہ کرایا اور روضہ تعمیر کرایا۔

اس درگاہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک پختہ احاطہ ہے جسے گنج شہداء کہتے ہیں مشہور ہے کہ یہاں مدفون شہیدوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ خواجہ غریب نواز کے خسر عالی مرتبت حضرت سید وجیہ الدین بھی اسی احاطہ میں آسودہ ہیں۔ اور ان کا مزار سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ مزار سید حسین سے مغرب کی جانب مرہٹہ سردار کمانچی راؤ سندھیا نے سات درہ دالان سنگ مرمر سے 1227ھ میں ازراہ عقیدت تعمیر کرایا اس دالان سے ملحق بالا راؤ اینگلا مرہٹہ نے 1322ھ میں ایک اور دالان بنوایا مزار کا بلند دروازہ 976ھ میں اکبری عہد کے صوبہ دار اسماعیل خاں نے ذاتی مصارف سے تعمیر کرایا تھا۔ یہ عمارت موجود ہیں۔

اجمیر شریف میں مقدس چلے

چلہ خواجہ صاحبؒ

انا ساگر جمیل کے قریب سدا بہار پہاڑی پر واقع ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی جب اجمیر وارد ہوئے تو آپ نے اسی پہاڑی کی ایک گھاٹی میں قیام کیا تھا۔ اس مقام پر 1037ھ میں صوبہ دار اجمیر مہابت خان کے شقہ دار مسی دولت خاں نے پتھر کی ایک چار دیواری بنوادی اور ایک کتبہ نصب کرایا جس کے مقطع میں تاریخ تعمیر برآمد ہوئی ہے۔

سل تاریخ، طلہی گفتہ

سی و ہفت و ہزار بود سنین 1037ھ

خواجہ عثمانی چلہ

یہ عمارت گنبد والی ہے جس کے چار اطراف بارہ دری بنی ہوئی ہے۔ یہاں وہ یاد گاری تبرکت رکھے گئے ہیں۔ جو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ مرشد خواجہ صاحب کے مزار واقع مکہ مکرمہ سے لائے گئے تھے۔

(سوق اللیل مکہ مکرمہ میں خواجہ عثمانی ہارونی کا مزار اب معدوم ہو چکا ہے)

چلہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

سدا بہار پہاڑی پر (متصل دولت بلخ) عمارت چلہ قطب صاحب ہے۔ مشہور ہے کہ قطب صاحب قیام اجمیر کے دوران اس جگہ معروف عبادت رہا کرتے تھے۔ مقام چلہ کے بلائی محن میں تین درہ لیک پختہ مسجد ہے جو مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی کے مرید مولانا شمس الدین نے 1190ھ میں تعمیر کرائی تھی۔

چلہ سالار غازی

سلطان محمود غزنوی نے اجمیر فتح کرنے کے بعد یہاں سید سالار ساہو کو صوبیدار مقرر کیا۔ اسی زمانہ میں ان کے ہاں سید مسعود سالار غازی کی ولادت ہوئی۔ اور کچھ عرصہ ان کا اس جگہ قیام بھی رہا۔ اس لئے یہ چلہ سالار غازی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ سید مسعود سالار غازی بڑے فاتح جرنیل تھے۔ آپ کا مزار بھڑاچ (مغربی بھارت) میں مرجع خلایق ہے۔

چلہ شاہ مدار

حضرت شیخ بدیع الدین عرف شاہ مدار مکن پوری نے کوکڑ پہاڑی کی چوٹی پر جس جگہ چلہ کیا تھا اس مقام پر ایک پختہ گنبد بنا ہوا ہے اور قریب ہی ایک حوض ہے۔ یہاں ہر سال 18 جمادی الاول کو مدار صاحب کا عرس منایا جاتا ہے۔

چلہ بی بی حافظہ جمل

یہ جگہ نور چشمہ کے کنارے پر پہاڑ کی گھٹائی میں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ غریب نواز کی صاحبزادی حافظہ جمل صاحبہ نے یہاں خاص عبادت کی تھی۔

چلہ بڑے پیر صاحب

خواجہ صاحب کی درگاہ میں کھڑے ہو کر جنوب کی طرف نگاہ کریں تو سامنے ایک پہاڑی کے اوپری سرے پر سبز رنگ کا گنبد دکھائی دیتا ہے روایت مشہور ہے کہ اس مقام پر حضرت غوث الاعظم کے مزار اقدس کی ایک اینٹ دفن ہے۔
حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی ہندوستان میں کبھی تشریف نہیں لائے اس جگہ سوندھے شاہ درویش مدفون ہیں۔

اکبر محل

قدم شہر پنہا کی مشرقی دیوار کے ساتھ ہی یہ عمارت ہے جسے اکبر بادشاہ نے 978ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ برٹش راج میں یہاں فوجی میگزین تھا اور آجکل بھارتی فوج کے زیر تصرف ہے۔

دولت کدہ دانیال

درگاہ خواجہ صاحب کے ایک سجادہ نشین مسی دانیال شاہ تھے جن کے مکان میں شہزادہ کی ولادت ہوئی۔ شہزادہ کا نام دانیال اسی نسبت سے رکھا گیا۔ محل کی تعمیر ولادت کی خوشی میں ہوئی جیسا کہ توڑک جمانگیری میں تحریر ہے۔

دولت خانہ شاہ جہانی

یہ محل انا ساگر کے شرقی کنارہ پر دولت بلخ کے بیچ واقع ہے۔ عمارت سنگ مرمر کی ہے۔ وسط میں ایک بارہ دری ہے ایوان شاہی سے متصل سنگ مرمر کا شاہی حمام ہے۔ جملہ عمارات عہد شاہ جہانی کی یادگار ہیں۔ آزادی ہند کے بعد دولت بلخ کا نام سرکار نے بدل کر سہاش پارک رکھ دیا ہے۔

قدیم تاریخی مساجد

ڈھائی دن کا جھونپڑا

خواجہ صاحب کی درگاہ کے ساتھ ساتھ مغرب جانب درگاہ بازار سے ایک راستہ ہے جو ترپولہ گیٹ سے آگے بڑھنے پر محلہ اندر کوٹ کی بستی شروع ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دور آگے چلیں تو دائیں ہاتھ پر ایک عایشان پرانی مسجد ہے جسے سلطان شمس الدین التمش نے 614ھ میں قدیم مسجد کی عمارت میں کافی تبدیلی کر کے اس کی مرمت و تعمیر نو کرائی، اولین تعمیر سلطان شہاب الدین غوری نے 595ھ میں کرائی تھی۔ سنگ سرخ سے بنی اس عمارت میں دو طرف تین تین برجیاں اور بیچ میں بڑا گنبد قائم کیا گیا اور وسطی محراب کے دونوں بازوؤں پر دو مینار لال پتھر کے بنوائے گئے۔ بیچ کی محراب 56 فٹ بلند ہے۔ محیط کی دیواریں 35 فٹ اونچی ہیں۔ صحن کے آگے ایک دروازہ جانب مشرق اور دو سرا بجانب جنوب ہے۔ محمد عارض کے زیر اہتمام علی احمد معمار نے اس مسجد کی تعمیر کی۔

مسجد میابائی

یہ مسجد 1053ھ میں تعمیر ہوئی تھی اس کے پانچ در ہیں اور عمارت سنگ سرخ سے بنی ہے۔ یہ مسجد درگاہ بازار کی مشرق رو یہ دوکانوں سے ملحق ہے۔

پرانی عید گاہ

اناساگر جھیل کے گوشہ شمال و مشرق میں متصل باغ صوبہ دار اجیر سید احمد یہ عمارت شیخ یحییٰ نے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد میں تعمیر کرائی تھی۔ اسکے مصارف کے لئے چالیس بیگمہ زرعی اراضی وقف ہے۔

عید گاہ ثانی

نواب مرزا عادل بیگ کے فرزند مرزا چمن بیگ مالوہ کے صوبہ دار تھے جن کی تقرری ملاھوٹی راؤ سیندھیانے کی تھی انہوں نے اس عید گاہ کی تعمیر 1187ھ میں، صرف خاص سے کرائی تھی۔ درمیان محراب میں ایک قطعہ کندہ ہے جو وقت سے پڑھا جاتا ہے۔

چلہ بلیا فرید الدین گنج شکر

اس مقام پر بلیا صاحب نے چلہ کیا تھا۔ اس کا دروازہ سارے سال مقفل رہتا ہے
صرف محرم الحرم کی 5 تاریخ کو کھلتا ہے۔ جوق در جوق زائرین اندر جا کر دعائیں کرتے ہیں۔
جنتی دروازہ

یہ بھی مقفل رہتا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی اور حضرت خواجہ معین الدین کے
عرسوں کی تاریخوں میں اور عید الفطر اور عید الفضحی کے ایام میں کھولا جاتا ہے۔

چار یاری

یہ وہ جگہ ہے جہاں خواجہ غریب نواز کے ساتھ اجیر تشریف لانے والے چار دوستوں
کی آخری آرام گاہ ہے۔

جھالہ

اندرون درگاہ تاریخی جگہ ہے۔ اس کی چار دیواری شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ
نے تعمیر کرائی تھی۔

شہی گھاٹ

اس کے صحن میں خواجہ معین الدین علیہ الرحمۃ کے صاحبزادہ خواجہ ابو سعید اور
خواجہ حسام الدین کے مدفن ہیں۔ بعض مورخوں نے خواجہ حسام الدین کو خواجہ غریب نواز کا
برادر نسبتی لکھا ہے۔

شاہجہانی مسجد

شہنشاہ شاہ جہان نے دو لاکھ چالیس ہزار روپے کے صرف سے یہ مسجد 1047ھ میں
تعمیر کرائی۔ محل وقوع خواجہ صاحب کے مزار شریف کے مغرب میں ہے۔ مسجد کا طول شرعی
97 گز اور عرض 27 گز ہے۔ مسجد کا صحن بہت کشادہ ہے۔ مزار خواجہ کا جنتی دروازہ مسجد
کے محراب سے بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ نماز جمعہ یہاں بڑے اہتمام سے ہوتی ہے۔ شاہی
وقتوں سے یہ دستور ہے کہ نماز جمعہ کے لئے چار توپیں داغی جاتی ہیں۔ پہلی خطبہ شروع
ہونے سے پانچ منٹ قبل دوسری خطبہ کے وقت تیسری بار توپ اقامت نماز کے وقت اور
چوتھی ضرب سلام پھیرنے کے وقت۔

بیگمی والان

یہ خوبصورت اور عالی شان والان جو تین جانب سے کھلا ہوا ہے 1052ھ میں شہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بلو شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔

مجر بی بی حافظہ جمل

خواجہ صاحب کے مزار شریف کے پائیں میں ایک حجرہ ہے جس میں حضرت غریب نواز کی صاحبزادی بی بی حافظہ جمل صاحبہ کی سنگی قبر ہے۔ ساتھ ہی دو چھوٹی چھوٹی قبریں بی بی صاحبہ کے صغیر سن بچوں کی ہیں۔

مجر شہزادی حور النساء عرف چمنی بیگم

یہ حجرہ روضہ شریف کے مغرب کی جانب ہے۔ جو شہزادی کا مدفن ہے۔ جماعتگیر بلو شاہ کو اپنی اس پوتی سے بہت محبت تھی۔ اس کا انتقال اجمیر شریف میں 29 جمادی الاول 1025ھ میں ہوا تھا۔

احاطہ نور

مزار خواجہ کے جنوب اور مغرب کی طرف سنگ مرمر کی دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ کچھ حصہ سقفی ہے۔ اس احاطہ کو احاطہ نور کہا جاتا ہے۔

اجمیر میں دیگر تاریخی عمارات

اکبری فصیل شہر

شہنشاہ اکبر نے شہزادہ مراد کی ولادت کی خوشی میں اجمیر آکر خواجہ صاحب کی درگاہ میں حاضری دی اور شہر پنہا کی تعمیر کا حکم دیا۔ چنانچہ 978ھ '1570ء میں فصیل مکمل ہوئی۔ اب اس کے کہیں کہیں آثار نظر آتے ہیں۔

سوت برج

محل جماعتگیری کے قریب ہی واقع ہے۔ اسے روٹھی یعنی ناراض رانی کا برج بھی کہتے ہیں۔ تارا گڑھ پر پانی پہنچانے کیلئے راجہ مالدیو والئی اودے پور نے 1535ء میں یہاں چرخ بنوانا

شروع کیا لیکن مکمل نہ ہو سکا چنانچہ شیر شاہ سوری بادشاہ نے نے 1542ء میں اسے مکمل کرایا۔

اجمیر کے تاریخی ادوار

اجمیر شہر کا بانی چوہان راجہ ارجے پال تھا۔ اس نے چھٹی یا ساتویں صدی ہجری میں یہ شہر بسایا تھا۔ اولڈ اجمیر موجودہ اجمیر شریف سے تقریباً "سات میل دور تھا اور موجودہ شہر کی جگہ وہ شہر نہ تھا۔ جب متصلہ علاقہ نور چشمہ میں آباد کاری ہونے لگی تو شہر کی آبادی مشرق کی جانب بڑھتی گئی اور اس کا سن 1165ء-561ھ تعین کیا جاتا ہے۔ اجمیر شریف کی آبادی مسلمان فاتحین اور حکمرانوں کی مرہون منت ہے۔

علاقہ جت اجمیر پر ارجے پال (چکوا) سے لیکر پرتھوی راج کے بھائی ہری راج تک چوہان راجپوت خاندان کے 27 راجاؤں نے فرمانروائی کی۔ ان کا عہد 551ء سے 1195ء تک رہا۔ اس درمیان چند سال تک سلطان محمود غزنوی (م۔ 421ھ) کی طرف سے سالار ساہو حاکم اجمیر رہا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے 1192ء میں اجمیر فتح کر کے پرتھوی راج کے بڑے بیٹے کولاراج کو اجمیر میں اپنا باگمدار بنایا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کے چچا ہری راج چوہان نے اسے شکست دیکر علاقہ جت اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ 1195ء میں سلطان قطب الدین ایبک نے ہری راج کو اجمیر سے نکل باہر کیا اور وہاں مسلمان گورنر مقرر کیا۔ سید حسین خنگ سوار اپنی شہوت تک حاکم اجمیر رہے۔

مختلف عہد حکومت

- (1) ترک افغان سلاطین دہلی شہاب الدین غوری قطب الدین ایبک و شمس الدین التمش وغیرہ۔ 1195ء تا 1400ء
- (2) مہارانا میواڑ (ہندو راجپوت) ————— 1400ء تا 1455ء
- (3) سلاطین مانڈو ————— 1456ء تا 1504ء
- (4) مہارانا میواڑ (دوبارہ یہ خانوہ حاکم ہوا) ————— 1505ء تا 1533ء
- (5) سلطان گجرات (مغربی ہند) ————— 1533ء تا 1535ء
- (6) رائے ٹھو رمارواڑ (ہندو راجپوت راجے) ————— 1535ء تا 1544ء
- (7) سلاطین سور (شیر شاہ سوری اور جانشین) ————— 1544ء تا 1556ء

- (8) شاہان مغلیہ (شہنشاہ اکبر تا بہادر شاہ اول) ————— 1556ء تا 1719ء
- (9) رائے ٹھور مارواڑ (شاہان دہلی کے ماتحت) ————— 1720ء تا 1755ء
- (10) سندھیا گوالیار و مہاراجہ رام سنگھ (مرہٹہ خانوارہ) ————— 1756ء تا 1758ء
- (11) مرہٹہ سندھیا (صرف شہراجپور حکومت تھی) ————— 1758ء تا 1787ء
- (12) رائے ٹھور جو دھپور (ہندو راجپوت) ————— 1787ء تا 1790ء
- (13) سندھیا گوالیار (مرہٹہ خاندان) ————— 1791ء تا 1818ء
- (14) ایسٹ انڈیا کمپنی۔ (شاہان دہلی کے نام پر) ————— 1818ء تا 1857ء
- (15) شاہانہ انگلینڈ۔ شاہان برطانیہ بوساطت وائسرائے ————— 1857ء تا 14 اگست 1947ء
- (16) بھارتی سرکار 15 اگست ————— 1947ء تا حال

حضرت کی دعائیں

حضرت خواجہ غریب نواز اپنے فیوض و برکات سے تادم حیات تو لوگوں کیلئے سراپا رحمت و برکت تھے
ی وہ حال کے بعد بھی دریائے فیض یاب نہیں بلکہ آج بھی ایمان والوں اور عقیدتمندوں کیلئے
ایک گنجینہ معانی اور دفتر مقبولیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ
کے بعض ایسے نسخے اور دعائیں ہدیہ قارئین کے جاتے ہیں۔

مالوسی اولاد۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں، بعد نماز تین مرتبہ کہے۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُاتَ ذَلِكُمْ رَكْعَةُ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ اس کو اولاد سے یوسی ہوگی

دافع آسب

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں۔ تین مرتبہ پانی میں پڑھ کر منہ پر چھینٹا مارے یا کان
میں دم کرے وَاِذَا ابْتَطَشْتُمْ حَبَارِينَ آسِيبٍ دَفْعٌ هُوَ كَا۔

زیادتی رزق۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں بعد نماز کثرت سے پڑھے۔
سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا ذٰلِكَ وَمَا لَنَا اَنْ نَّقُوْلَ اِنَّهُ مَقْرُوْبٌ اِسْ كِي رُوْزِي فِي بَرَكْتٍ هُوَ كِي

نجاتِ مرض

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں کوئی مرض ہو چینی کی تشری پر لکھ کر مریض کو یا
تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالے كَصِيْعَصٍ حَمْعَسَقٍ سْتَفَا هُوَ كِي۔

مقبولیت نماز۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں، بعد نماز کلمہ توحید تین مرتبہ پڑھ لینے سے نماز مقبول
ہو جائے گی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْ تَزُوْلَا سَ عَلِيْمًا عَقُوْرًا تَمَك
رُوْشِي حَشْمٌ۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں، بعد نماز تین مرتبہ پڑھ کر انگلی پر دم کر کے آنکھ میں لگانے

سے بصارت میں کمی نہ ہوگی بلکہ جو کچھ پیشتر نقصان پہنچ چکا ہے جاتا رہے گا۔
 وَالسَّمَاءِ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُرْسِعُونَ ۚ وَالْأَرْضِ قَرَسْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ

تکمیل حاجات :-

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں ان آیتوں کو انگشتی پر کندہ کر اگر اپنے پاس رکھے۔
 وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ
 إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ہر حاجت پوری ہوگی۔

اشیائے گم شدہ :-

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھ کر گم شدہ تلاش کی جائے تو انشاء اللہ
 ضرور مل جائے گم شدہ غیب سے کوئی عمدہ شے ملے گی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَمَنَّاهُ مِن دُونِ
 اللَّهِ أَن تَأْتِيَهُمُ الْغَنَاءُ كَحِبِّ اللَّهِ الْمَذِينِ آمَنُوا أَن تَحْبِبَّ اللَّهُ لَوْ يُرِيدُ اللَّهُ
 طَافُوا لِيُرِيدُوا الْعَذَابَ إِنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَإِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الْعَذَابِ

ادائیگی قرض :-

حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں۔ صبح و شام سات مرتبہ پڑھ لینے سے انشاء اللہ
 قرض ادا ہو جائے گا۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ
 ترقی رزق :-

حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں۔ ابتدا مہینہ کے جمعہ سے چالیس جمعہ تک
 گیارہ مرتبہ بعد مغرب پڑھے۔ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۗ اور ہر جمعہ کے
 بعد کاغذ پر اس آیت کو لکھ کر کتوں میں ڈالتا جائے انشاء اللہ غنی اور توانگر بن جائیگا
 وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشًا قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۗ

نجات مصائب :-

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں۔ اس آیت کے پڑھنے سے مصیبت سے نجات مل جاتی ہے
 إِنَّ فِي سَمَوَاتِنَا وَمَا بَيْنَهُنَّ وَمَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ الْأَرْضِ تَأْوِيلًا سُوْرَاتٍ مَّكِّيَّةً

حصول مراد :-

حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھ کر دعا کرے انشاء اللہ ہر مراد پوری
 ہوگی۔ وَإِذَا جَاءَ تِلْكَ آيَةٌ مِّنَّا قَالُوا إِنَّا أَنبَاءٌ مِّن قَبْلِكَ خَتَمَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ قَدْ أَتَاهُم
 اللَّهُ بِأَعْلَمَ حَيْثُ يُجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ

معافی گناہ :-

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ آیت پڑھے انشاء اللہ سب گناہ معاف ہوں گے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ :-

بد خوابی -

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں جس شخص کو بد خوابی ہوتی ہو یا پریشان خواب دیکھتا ہو اس آیت کو سوتے وقت پڑھے یا لکھ کر گلے میں ڈالنے سے انشاء اللہ بد خوابی سے محفوظ رہے گا۔ فَلَمَّا اتَّقَوْا قَالَ مُوسٰى هٰذَا جَنَمٌ بِهٖ السَّحٰوَاتُ اللّٰهُ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِلُّ عَمَلًا اُمَّةٌ سَيَذِيْقُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَاَلُوْكَرَةَ الْمُحْرَمُوْنَ ط

ترقی علم -

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں ہر روز نماز صبح کے بعد پڑھا کریں مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَفِيْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اٰخَرٰى ذٰلِكَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ عَلِيْمٌ اور علم میں ترقی ہوگی۔

مشکل کشائی -

حضرت غریب نواز فرماتے ہیں مصیبت کے وقت پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ نجات ہوں
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَا كِاِنِّهٖ كُنْتُمْ مِّنَ الظَّٰلِمِيْنَ ط

مدد طلبی :-

حضرت خواجہ غریب نواز ہر قسم کی حل مشکلات کے لئے صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھنا کرتے تھے اور جو لوگ وظائف دریافت کرنے آتے تھے حضرت ان کو اس کی ہی تلقین فرماتے تھے۔

دعاء چشت :-

حضرت خواجہ غریب نواز نے ارشاد فرمایا کہ جو ذیل کی دعا صبح کے فرض پڑھنے کے بعد خواجگان چشت کا معمول ہے۔ اللّٰهُمَّ زِدْ نُورِنَا وَزِدْ سُرُوْرِنَا وَزِدْ مَعْرِفَتِنَا وَزِدْ طَاعَتِنَا وَزِدْ نِعْمَتِنَا وَزِدْ مَحَبَّتِنَا وَزِدْ سَوْقَاتِنَا وَزِدْ جَوْلَانَا وَزِدْ قُوَّتِنَا وَزِدْ قَبُوْلَانَا وَزِدْ اِنْسَانَانَا وَزِدْ عَلِمَانَا وَزِدْ عَمَلِنَا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّحْمٰنِيْنَ !

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔ جو شخص نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک اللہ عزوجل کے یہ تین اسماء گرامی پڑھے گا اس کی کوئی مشکل اسکی نہ رہے گی۔

يَا اللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمٌ ط

زیارت حضور۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے حضرت خواجہ قطب الدین نجمتیارؒ کا کئی کوزیارت حضورؐ رسول کریمؐ کے لئے ہر رات کو ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ رَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاٰخِرِ وَعَلٰی اٰلِهِ

اسم اعظم۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ اسم اعظم یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد ایک سو مرتبہ یا حییٰ یا قیوم پڑھے یا کرے اور اپنی ہر ضرورت کے پورا ہونے کے لئے اللہ سے دعا کرے

فتح دشمن :-

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا کہ جب دشمن کے سامنے جایا کرو ان اسماء گرامی کا ورد کیا کرو۔ یا سُبُوْحُ یا قُدُوْسُ یا غَفُوْرُ یا وُدُوْدُ۔

حاجت براری :-

حضرت خواجہ غریب نوازؒ ارشاد فرماتے ہیں، ہر نماز کے بعد جو شخص یا شَقِيْقُ یا رَفِيْقُ نَحْنُ مِنْ كُلِّ يَقِيْنٍ پڑھے گا اس کی ہر حاجت پوری ہوگی۔

دعائے قبولت :-

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں فتوحات کے دروازے کھولنے کے واسطے ہر صبح تین بار پڑھے۔ اللّٰهُمَّ بِاِسْمِكَ اِتَّيْتُ وَّبِكُرْمِكَ اَقْدَمْتُ وَّبِنُوْرِكَ اِهْتَدَيْتُ وَّبِفَضْلِكَ اَسْتَعِيْثُ وَّاَسْتَعِيْزُكَ وَّاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

ترقی تجارت :-

حضرت خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں۔ جو کوئی فوائد اور تجارت کی ترقی کا خواستگار ہو تو

اس کو کہنا چاہیے کہ یہ درود زیادہ پڑھے۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ

وَّرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلٰی جَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

روشنی چشم :-

آنکھوں کا درد دور ہونے اور روشنی چشم حاصل ہونے کے لئے اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ پڑھ کر انگلیوں کے سروں پر دم کر کے آنکھوں پر پھرے
اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ پڑھ کر اسی طرح کرے۔ پھر اسی طرح
وَعَنْتِ الْوُجُوْهُ لِلّٰهِ الْقَيُّوْمِ پڑھ کر اسی طرح کرے۔

اولیاء اللہ کے ملفوظات سے گل ہائے رنگارنگ

ایک دن ایک یہودی نے حضرت علیؑ سے کہا کہ آپؑ کوٹھے پر ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ آپ کا محافظ ہے۔ جواباً حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شروع سے لیکر آخر تک ہماری زندگی کا محافظ و مربی ہے۔ یہودی نے کہا کہ آپؑ کو خدا کی حفاظت پر اعتماد ہے تو کوٹھے سے چھلانگ لگائیے۔ تاکہ مجھے بھی آپ کی بات پر یقین اور آپ کے خدا پر اعتقاد آجائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ”احمق خاموش بھلا بندے کی یہ مجال کہاں کہ اپنی بدنہختی سے خدا کی آزمائش کرے۔“ یہ تو خدا ہی کا منصب ہے کہ وہ ہر سانس پر اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے تاکہ ہمارا حال ہم پر ظاہر ہو جائے کہ ہمارا عقیدہ کتنا مضبوط ہے۔ تو پہلے اپنا امتحان کر اور اس کے بعد دوسرے کا۔ یاد رکھ اگر تیرے دل میں خدا کی آزمائش کی آرزو پیدا ہوئی تو تیرے دین کی مسجد کوڑے کرکٹ سے بھر جائے گی۔

(مشہور مولانا روم سے ماخوذ)

مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے نعمات الانس میں لکھا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ روز حشر ایک شخص اپنی مفلسی اور بدکرداری کے سبب ناامید ہو جائے گا۔ حق سبحانہ فرمائیں گے کہ اے بندے! کیا تو فلاں فلاں محلہ میں فلاں فلاں عارف کو پہچانتا تھا۔ وہ جواب دے گا۔ ہاں میرے مولانا میں پہچانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاہم نے تجھے اس کے طفیل بخش دیا۔ گویا محض شناخت ولی وسیلہ نجات ہو گئی۔ اس پر ہم اولیاء اللہ کی دوستی و محبت اور ان کی سیرت اپنانے سے ناجی کیونکر نہ ہونگے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث کہ المرع احب یعنی قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا۔ پھر ”تنزل الرحمۃ عند ذکر الصالحین“ بھی اسی ذیل میں ہے۔

اولیاء اللہ کے مزارات سے زیارت کرنیوالا اسی قدر فیض لے سکتا ہے جس قدر اس نے اس بزرگ کی صفت کو پہچانا ہے اور اس صفت کی طرف متوجہ اور اس میں مستغرق ہوا ہے۔

زیارت مزارات سے مقصود یہ ہونا چاہئے کہ توجہ حق سبحانہ کی طرف ہو اور اس برگزیدہ حق کی روح کو خدا تعالیٰ کی طرف کمال توجہ پیدا کرنے کا وسیلہ بنائے۔ کشف قبور یہ ہے کہ صاحب قبر کی روح مثالی صورتوں میں کسی مناسب صورت کے

ساتھ متمثل ہو جاتی ہے۔ صاحب کشف اس کو بصیرت کی آنکھ سے اسی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ کسی بزرگ کی قبر پر پہنچ کر اپنے تئیں تمام کیفیتوں اور نسبتوں سے خالی کر کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ کیا نسبت ظاہر ہو۔ اسی نسبت سے صاحب قبر کا حال معلوم کرتے ہیں۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگ ہر اس مجاہدہ کو جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور جس سے تزکیہ ہو سکتا ہو تسلیم کرتے ہیں۔ مخالفت نفس ان کے ہاں لازمی شے ہے تاکہ نفس کو مہذب بنا سکیں وہ اس سے زیادہ تجاوز نہیں کرتے۔ ترک دنیا سے ان کی مراد محض اتنی ہے کہ اس دنیا میں دل نہ لگے، ورنہ لباس و طعام کے وہ خلاف نہیں۔

جب کوئی طریقت میں آئے تو لازم ہے کہ سر کے بل کتروا ڈالے کیونکہ راہ طریقت میں پہلا قدم سربازی ہے۔ کیونکہ جس نے سر کے بل کٹوا ڈالے گویا سر کو کلٹ ڈالا۔ جس طرح سر کٹے ہوئے سے کوئی کام نہیں ہو سکتا اسی طرح مناسب ہے کہ اس سے بھی کوئی نامشروع کام وجود میں نہ آئے۔

سید الشهداء حضرت امام حسینؑ نے وقت شہادت اپنے صاحبزادے حضرت زین العابدین کو یہ وصیت فرمائی کہ ”تمہارا جسم چھوٹا ہے لیکن ایک بڑا جہان تمہاری ذات میں پنہاں ہے۔ (صرف) اسی میں غورو فکر کرنا تمہارے لئے کافی ہے۔“ فی الواقع انسان اپنے نفس پر غور کرے تو تمام کائنات کا جلوہ اس میں نظر آئے گا۔

انبیاء علیہم السلام کو وہی طور پر اولیاء اللہ کو کسی ذریعہ سے اخلاق الہی کا نمونہ تسلیم کرنا ضروری ہے، ورنہ ہدایت مسدود اور ختم ہو جائے گی۔ موت و حیات اللہ جل شانہ کی شان اور قدرتوں کی نشانیاں ہیں۔ حیات اصل و مستقل ہے، موت عارضی اور منفی ہے۔ اخلاق الہی قبول کرنے کی وجہ سے صفت حیات، انبیاء و اولیاء کو عطا کی گئی ہے اس لئے موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو لوگ موت کا تصور باندھتے ہیں وہ گویا موت کو حیات کا مد مقابل سمجھتے ہیں اور یہ ہر آئینہ غلط ہے۔ موت محض عارضی اور درمیانی وقفہ ہے اور اس وقفہ اور عرصہ میں مدارج بھی طے ہوا کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض گناہ گار قبروں سے پاک اٹھیں گے۔ اس کی رو سے تو موت میں بھی حیات کی شکل موجود ہے۔ پھر انبیاء اور خصوصاً نبی اکرمؐ کی حیات ظاہری میں خواب و بیداری ایک ہی کیفیت رکھتی تھی۔ اس طرح بعد رحلت حضور اعلیٰؐ کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

فقر کے لغوی معنی تو احتیاج کے ہیں، لیکن اہل معرفت کے نزدیک اس سے مراد مفلسی یا فاقہ کشی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے بے نیازی ہے، حقیقی فقر وہ ہے جس کا اعتماد ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر ہو اور جو مخلوق کے مقابلے میں خوددار لیکن خالق کے آگے بندہ عاجز ہو۔ خالق جو کچھ بھی دے خواہ کم ہو یا زیادہ اس پر قانع و شاکر رہے اور مخلوق کی دولت و جہ کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے۔ ایسا بندہ اللہ کا فقیر ہوتا ہے نہ کہ بندوں کا۔ جو شخص اپنی حاجت مندی کو غیر اللہ کے سامنے پیش کرے اور جسے مال کی حرص دوسروں کے آگے سر جھکانے اور ہاتھ پھیلانے پر آمادہ کرے وہ عارفوں کی نگاہ میں مستحق درپوزہ گر ہے، فقیر نہیں ہے۔

جس طرح کہ خداوند تعالیٰ کا شکر حد امکان و طاقت سے باہر ہے، اسی طرح سے مدح و ثناء سید کائنات نضر موجودات ﷺ شرح و بیان سے زائد ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کل موجودات کے معین حضرت محمد ﷺ ہیں اور ذات خدا کی کل مہمت کے ظاہر کرنے والے حضرت احمدؑ ہیں۔ تمام انوار علوی ان کے پر تو نور سے ظاہر ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی نے لکھا ہے کہ ”اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے۔ ایمان باطنی اعتقاد کا دین ان ہر دو کے مجموعے کو کہتے ہیں۔“ ایک مرتبہ کوئی شخص حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں آیا اور ان سے بے باکی سے کہنے لگا ”تو بت بن کر بیٹھ گیا ہے۔“ بابا صاحب نے نرمی سے جواب دیا۔ ”من نہ ساختہ ام، خدا تعالیٰ ساختہ است۔“

(فوائد القوار)

انسان یہ دنیا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اس کی یاد، حضوں کے حانظے میں پیچھے رہ جاتی ہے اکثر لوگ اپنی یاد پوری قوم اور بیشتر مخلوق کے حانظے پر مثبت کر جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ اور شہید نہیں مرتے۔ وہ چاہے جس جس طرح بھی زندہ رہتے ہوں۔ ایک صورت ان کی زندگی کی یہ بھی ہے کہ ایک پوری قوم یا بنی نوع انسان کی کثیر تعداد انہیں یاد کرتی رہتی ہے۔ عام انسان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انسان تو نہیں رہتا لیکن اس کے اعمال رہ جاتے ہیں جو کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ یہی اعمال اس کی پونجی ہیں۔ یہی اس کی آل اولاد اور یہی اس کی کمائی ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکلیؒ کے مزار کو جا رہے تھے کہ راستہ میں آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ آیا قطب

صاحب کو آنے جانے والوں کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ جب آپ قبر شریف کے نزدیک پہنچے تو مرقد سے آواز آئی:

مرا زندہ پندار چوں خوشن
من آیم بجاں مگر تو آئی بہ تن

کسی نے حضرت شبلیؒ سے امتحاناً پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے پر ہوتی ہے۔ فرمایا فقہاء کے مسلک پر جواب چاہتے ہو یا فقہاء کے؟ کہا دونوں کے۔ حضرت نے فرمایا کہ فقہاء کے مذہب کے مطابق ایک سل گزرنے پر دو صد درہم میں سے پانچ درہم اور فقہاء کے مسلک پر فوراً پورے دو صد اور اس نذرانہ کی خوشی میں اپنی جان بھی سر پر رکھ کر پیش کرنی چاہئے۔ سائل فقیہ نے عرض کیا کہ ہم نے یہ مذہب آئمہ دین سے حاصل کیا ہے حضرت شبلیؒ نے فرمایا ہم نے یہ مسلک حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حاصل کیا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب سرور عالمؐ کے سامنے رکھ دیا اور اپنی جگر گوشہ (حضرت عائشہؓ کو شکرانہ میں دیا۔

مسجد ————— سنگ و خشت کی چار دیواری، ایک انداز فکر اور ایک طرز حیات کا نام ہے۔ خانقاہ کا باقاعدہ نظام اگرچہ چوتھی صدی ہجری میں جاری ہوا اور صوفیائے کرام نے اسے عبوت و ریاضت کے لئے مخصوص کیا۔ مگر اس طرح کے مقام کا ثبوت عمد صحابہؓ میں بھی ملتا ہے جس میں بے وسیلہ اور دنیا سے منقطع عابد و زاہد لوگ خدا تعالیٰ کی عبوت و ریاضت کیا کرتے اور دنیا داروں سے دور رہ کر اللہ پاک سے تعلق قائم کرتے تھے۔ خانقاہ میں ایک سبق یہ ملتا تھا کہ حصول مسرت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک قناعت اور دوسرے رفعت نظر۔